بلاک (2) عصر اسلامی واموی

اکائی (1) عصر اسلامی واموی کا تعارف اوران کے ادبی امتیازات

مشمولات

1.1 تمہید

1.2 اغراض ومقاصد

1.3 عصر اسلامی کا پس منظر اوراس کا تعارف

1.4 دور اسلام کی نمایاں خصوصیات

1.5 عصر اسلامی میں نثر

1.6 تعارف قرآن کریم

1.6.1 قرآن کریم کی تدوین

1.6.2 قرآن کریم کے مشمولات

1.6.3 قرآن کریم کی امتیازات وخصوصیات

1.6.4 اسلوب قرآن کریم

1.7 تعارف حدیث شریف

1.7.1 تدوین حدیث

1.7.2 حدیث شریف کے امتیازات وخصوصیات

1.8 خطابت اسلام اوراموی عہد میں

1.8.1 خطابت کے ترقی کے اسباب

1.8.2 خطابت کے خصوصیات

1.9 رسائل

1.9.1 رسائل اور خطوط کا انداز تحریر

1.10 عصر اسلامی واموی میں شاعری

1.10.1 اس دور کی شاعری کا اسلوب

1.10.2 عہد رسالت وخلفاء راشدین کی شعری خصوصیات

1.10.3 عصر اموی میں شاعری کی حالت

1.10.4 اس دور کی شاعری کی خصوصیات

1.11 خلاصہ

1.12 نمونے کے امتحانی سوالات

1.13 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1.1 تمہید

عصر اسلامی وعصر اموی عربی ادب کے نشوونما کے لئے نہایت پُر اثر دور رہا ہے۔قرآن کریم جیسے معجز کلام کی شکل میں جس کی نظیر اور مثل پیش کرنے سے سارے عرب عاجز آ چکے تھے، اس کی سلاست روانی، فصاحت، بلاغت اور تسلسل کبھی انہیں اس کو شعر اور آپ ﷺ کو شاعر کہنے پر مجبور کرتا اور کبھی اس کو نثر سمجھ کر کہانت اور نبی کریم ﷺ کو کاہن کہتے۔وہ اس کے شعر ونثر ہونے میں فرق نہیں کر پاتے۔اس قرآن کریم کے نزول اور خود رسول اللہ ﷺ کے اقوال وفصاحت وبلاغت کے اعلی معیار کو پہنچے ہوئے تھے، جس کی حسن وبندش اور روانی بھی عربی ادب کا اعلی نمونہ رکھتی ہے۔اس دور میں نثر کو خطبات کی شکل میں جو فروغ حاصل ہوا وہ شعر کو حاصل نہیں ہوسکا۔صرف کچھ مخضرمی صحابہ کے اشعار دفاع اسلام کے حوالے سے ملتے ہیں۔ ورنہ بعد میں تو خلفاء نے شعر پر سخت قدغن لگائی۔اس دور رمیں فن خطابت نے خوب ترقی کی۔خطوط اور رسائل بھی عصر اسلامی کے بعد کے ادوار اور عہد بنی امیہ تک ان کو فروغ حاصل ہوا؛ البتہ ان تمام اصناف ادب میں یہ بات خاص اہمیت کی حامل رہی کہ اسلام کا رنگ وآہنگ ان تمام اصناف ادب میں غالب رہا، شروع میں عصبیت، قومیت کا جوش اسلام کی آمد کے بعد ختم ہوا، پھر خلفاء راشدین کی عادلانہ حکومت کے خاتمہ کے بعد امت مسلمہ کے مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ جانے کی وجہ سے عصبیت اور قومیت کے اثرات عود کر آئے، ان تمام اصناف میں ان کا اثر صاف طور پر نظر آنے لگا۔

1.2 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے ذریعہ طلبہ کو عصر اسلامی واموی کے ادب پاروں کا علم حاصل ہوگا، اُن ادوار کا پس منظر، نمایاں خصوصیات، نثر میں قرآن وحدیث کے تدوین، اسالیب، امتیازات وخصوصیات سے طلبہ واقف ہوسکیں گے، نیز عصر اسلامی واموی میں خطابت کی ترقی کے اسباب اور اس کے فنی محاسن اور رسائل اور خطوط کا انداز تحریر سے روشناس ہوسکیں گے۔مزید برآں عصر اسلامی واموی میں شاعری اور اس کے شعری خصوصیات وامتیازات اور معاون کتابوں کے ذریعہ اپنی علمی استعداد کو بڑھائیں گے اور یہ اکائی اس بلاک کے تمام اکائیوں میں ممد ومعاون ثابت ہوگی۔

2.1 عصر اسلامی کا پس منظر اور اس کا تعارف

دور جاہلیت وہ دور ہے جس کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ وہ جہالت، بربریت کے شدید ترین مظاہروں کا زمانہ تھا۔انسانیت، اخلاق، راستی، حق گوئی، ہمدردی اور خدا ترسی سے بنی نوع انسانی خالی ہوچکی تھی، دنیا ساری کی ساری افلاس ونکبت کے پست ترین حد کو پہنچ گئی تھی، ساری دنیا میں عموما اور عربوں میں خصوصا خون سے کھیلنا ایک معمولی کھیل بن چکا تھا، عرب دنیا کی اقوام میں جہالت، ضلالت وگمراہی آخری حد کو پہنچ چکی تھی، تہذیب وتمدن سے بیگانگی کی اس وحشت فزا ماحول میں خدائے عزوجل نے بنی نوع انسانی کی رفعت، ترقی اور بھلائی کے لئے اپنے الوہی پیغام کے ساتھ ایک برگزیدہ نبی کو بھیجا جن کی تعلیمات سے نہ صرف عرب؛ بلکہ سارا عالم نیکی، تقدس، عفت وتوحید کے نور سے جگمگا اٹھا، ہر سو نور اور روشنی چھا گئی اور وحشت وظلمت کا خاتمہ ہوگیا۔

اس زمانہ جاہلیت کا اثر یہ تھا کہ ادب اور زبان بھی ان کی اس وحشیانہ خرابیوں سے خالی نہ تھے۔ان کی شعر گوئی اور ادب میں بھی حمیت، عصبیت اور آپسی قبائلی دشمنی حماسہ، بہادری اور فخر وغیرہ کے اثرات بے انتہا پائے جاتے ہیں، اس دور کے شعراء کا کام ہی یہی تھا کہ وہ ایک میلے سے دوسرے میلے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے اور تعصب سازوں پر فخر وحماسہ کے گیت گاتے اس طرح وہ ایک لحاظ سے مختلف قبائل کے درمیان اختلاف اور دشمنی کی آگ بھڑکانے اور دوسری جانب وہ اخلاق وعادات اور زبان میں یگانگت کے اسباب پیدا کرتے تھے، پھر یہ خانہ بدوش لوگ جہالت، قط اور جنگوں کی گہری گھاٹیوں میں گھرے ہونے کے ساتھ ساتھ سرداروں کی نکبت خودغرضی، امن وسکون کا فقدان، اربابِ اقتدار وقوت کی مرضی کے مطابق

دولت کی تقسیم کی جاتی تھی، وہ اپنی کمائی میں حد سے بڑھ کر سود، حرام خوری، ناپ تول میں کمی اور زمانہ کی مصیبتیں برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، اس کے علاوہ ان میں درشتی، نخوت، بلند ہمتی اور چودھراہٹ کی خوداری اور باہمی کشمکش بھی اس قدر پائی جاتی تھی کہ اس پر مکمل کنٹرول کرنا نہایت ہی مشکل تھا، صرف اسلام اور شریعت ہی کے نفاذ سے ان کی اصلاح اور درستگی کا کام انجام دیا جاسکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن اور ماقبل اسلام کے ادوار میں فرق کرنے کے لئے پہلے دور کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کیا اور مابعد کے دور کو دور اسلام سے تعبیر کیا جو دونوں ادوار کے درمیان نمایاں فرق محسوس کراتا ہے، کیوں کہ جہالت کا مطلب نادانی، حمیت اور خود پسندی اور یہ چیزیں زماہ جاہلیت کا اعلیٰ نمونہ تھیں، جب کہ اسلام کا مفہوم امن، شانتی، چشم پوشی، عفوودرگذر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت جس کو اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں یوں تعبیر کیا ہے: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ [فرقان: ۶۳] (اور خدا کے بندے وہ ہیں جو زمین پر متانت سے چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو انہیں ''سلام'' کہہ دیتے ہیں)۔

1.4 دور اسلام کی نمایاں خصوصیات

اسلام نے دور جاہلیت اور دور اسلام میں واضح اور نمایاں فرق پیدا کیا، جاہلیت کے دور پر کاری ضرب لگائی۔ سماج اور معاشرے میں اخلاق وکردار کے اعلیٰ نمونے نقش کئے جو زمانہ جاہلیت کے سابقہ مروجہ اصولوں اور ان کے مسلمہ اقدار کے بالکل منافی تھے۔

بہادری، جرأت، دلیری، فضول خرچی اور تباہی کی حد تک بڑھی ہوئی سخاوت، قبیلہ سے وفاداری، انتقام لینے میں سنگ دلی کا مظاہرہ اور اپنی ذات اور اہل قرابت میں سے کسی پر قولی یا عملی زیادتی پر انتقام لیتے رہنا، عہد جاہلیت میں یہ اوصاف معیار فضیلت تھے؛ لیکن اسلام نے جو اعلیٰ اخلاقی قدروں کا تعین کیا، ایک اکیلے اللہ عزوجل کے سامنے جھکنا، گڑگڑانا، اس کے سامنے سرتسلیم خم کرنا، انکساری وعاجزی، اس کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرنا، احترام انسانیت وآدمیت کی دعوت، مال ودولت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر ومباہات کی نمائش سے احتراز اور صبر کا دامن تھامے رہنا اس کی اسلام نے دعوت دی۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ [سورۃ الحجرات: ۱۳] ''اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حجۃ الوداع کا خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت، تکبر اور آباؤ واجداد کے کارناموں پر فخر کرنے اور اترانے کا خاتمہ کردیا ہے تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے، کسی عربی کو عجمی پر تقوی کے سوا کوئی فضلیت حاصل نہیں، اسی طرح قومی، نسلی تعصّبات مٹ گئے؛ چنانچہ حکومت وسیادت کا معیار حسب ونسب کے بجائے دینداری بن گیا، تعصب ختم ہوگیا اور اخوت ومحبت میں رضائے رب کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس ذہنی اور عقلی انقلاب کی وجہ سے یقیناً فکری اور نظری انقلاب کی بھی راہ ہموار ہوئی اور دلوں اور ذہنوں سے نکلنے والے افکار اور زبانوں سے نکلنے والے اقوال بھی بدل گئے؛ چنانچہ اسلام کی آمد اقوام جاہلیت کی تفریق اور بچھڑے پن، جاہلیت، انتشار، جنگوں اور خرافات کو ختم کرکے انہیں مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل کردیا۔

۱۔ انہوں نے شرک وکفر کو چھوڑ کر ایک اللہ عزوجل کی عبادت کو اختیار کرلیا۔

۲۔ اسلام نے مختلف متنازع قبائل کو اسلام کے ایک جھنڈے تلے جمع کردیا، جس کی وجہ سے قبائلی نخوت اور عصبیت ختم ہوگئی۔

۳۔ اسلام نے عادات قبیحہ، جُوا، شراب خوری، حسب ونسب پر فخر بازی ختم کرکے ان کو تقوی کے معیار پر یکجا کردیا۔

۴۔ اسلام نے عرب معاشرے کو منظم کردیا، خرید وفروخت، میراث، جنگ وسلامتی کے ایسے معیارات مقرر کردیئے جس نے امت مسلمہ کو قوت

وسعادت مندی بخشی۔

۵۔ قبائل عرب کے مختلف لہجات صرف ایک لہجہ قریش پر یکجا ہو گئے، اسی پر قرآن کریم کا نزول ہوا، نزول قرآن کے بعد ادب عربی ایک زندہ جاوید اور قرآن کی ابدیت کی وجہ سے ہمیشگی اور دوامیت کا حامل ادب بن گیا۔

۶۔ اسلام نے عربی زبان کو خلود اور دوام بخشا؛ چونکہ قرآن کریم اسلام کا ایسا عظیم معجزہ ہے جو اللہ عزوجل کے یہاں سے عربی زبان میں نازل ہوا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [الحجر:۹]۔

عصر اسلامی میں زمانہ نبوت اور زمانہ خلفاء راشدین دونوں شامل ہیں۔

1.5 عصر اسلامی میں نثر

اسلام نے نہ صرف یہ کہ دینی انقلاب پیدا کیا ہے؛ بلکہ اس نے ادبی، معاشرتی، سیاسی اور اجتماعی ہر قسم کا انقلاب بپا کیا، صرف قرآن یہ دینی کتاب نہیں ہے، یہ ادبی معجزاتی کتاب بھی ہے، ایسا دستور ہے جس نے عربیوں کی سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کو منظم کیا، اس نے شوری، مساوات، عدل پر مبنی حکومت بنائی، ایک معبود کی دعوت دی، اس توحید میں نہ صرف ایک معبود کی توحید کی دعوت تھی؛ بلکہ عربی اجتماعیت کی دعوت بھی تھی۔

1.6 تعارف قرآن کریم

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، یہ انسانیت کے لئے دستورِ حیات اور بندگانِ خدا کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے، اس کلام کو بذریعۂ جبرئیل خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد عربی ﷺ پر بتدریج تئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں نازل کیا گیا۔ احوال اور حوادث کے مطابق قرآن کریم کا نزول ہوتا؛ تاکہ تا قیامت آنے والی نسلِ انسانی کے لئے رُشد وہدایت، علم وعرفان اور زبانِ عربی کا لازوال اور ادبی شاہکار بن سکے، قرآن کریم کی کبھی کبھی کوئی سورت یکجا نازل ہوتی، ورنہ اکثر قرآن مختلف حوادث اور حالات کے مطابق نازل ہوا ہے، جس کو اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ○ [الفرقان: ۳۲] (اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا؟ ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے)۔ قرآن نام مجموعہ وحی ہے، یہ وہ پہلی کتاب ہے جو عربی زبان میں مدون کی گئی۔ تاریخ ادب کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی عیسوی کے اوائل کے عربوں کی ذہنیت اور ادبی زندگی کے ہم مثل نازل ہوئی، یہ فنی نثر کا بانی اور معانی واسالیب اور معارف کا سرچشمہ ہے جو اس زمانے کے ادب میں عام ہوئے، یہ ایسے انوکھے اور ایسے معجز اسلوب میں نازل ہوا جس کو کانوں نے نہ سنا تھا، نہ ذہنوں پر اس کا خیال گذرا تھا، نہ تو یہ کلام ہم وزن وقافیہ بندی کا حامل، نہ مسجع ہے جس کے فقروں کی تعداد کے مطابق معانی کے بھی حصے بن جائیں، نہ یہ ایسا مرسل ہے کہ اس کا اسلوب بغیر ٹوٹے اور بغیر سجع بندی کے مسلسل چلتا جائے؛ بلکہ یہ تو الگ الگ آیتیں ہیں، کبھی باہم ملی ہوتی ہیں آواز وہاں پہ جا کر رک جاتی ہے، اس کے معنی کے استقلال نیز قاری کی روح اور وجدان اور اس کے ساتھ ہم آہنگی کی وجہ سے ذہن سکون محسوس کرتا ہے۔

1.6.1 قرآن کریم کی تدوین

جس صورت میں قرآن کریم ہمارے یہاں موجود ہے کہ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ دور رسول میں چند ایک کاتبین قرآن کریم تھے جن میں زید بن ثابت، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ جب رسول اللہ ﷺ اِس دنیا سے پردہ فرما گئے تو یہ چمڑے کے ٹکڑوں اور صحیفوں کی شکل میں حفاظ

قرآن دلوں میں محفوظ رہا، یکجا طور پر پورا قرآن کریم موجود نہیں۔ پھر حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد ۶۳۲ء میں مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے دین کے خاطر لڑنا پڑا، خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یوں تو بڑے حلیم اور بردبار اور سادہ مزاج واقع ہوئے تھے، مگر دین کے معاملہ میں غایت درجہ احتیاط، غیرت وگرمجوشی ان کا وصف تھی، ان کے عہد خلافت میں مسیلمۃ الکذاب مدعی نبوت نے دوبارہ سر اٹھایا اپنے کو نبی برحق جتا کر لوگوں کو گمراہ کرنے لگا ہزاروں اس کے پیروکار ہو گئے اور بنی حنیفہ نے تہہ دل سے اس کا ساتھ دیا، ایک عورت جس کا نام سجاح تھا اور جس نے مسیلمہ کی طرح سے نبوت کا دعوی کیا ایک بڑے گروہ کا سرغنہ بن گئی اور اخیر میں مسیلمہ کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا، ادھر ایک اور شخص جس کا نام طلیحہ تھا نے نبوت کا دعوی کیا، خلیفہ نے خالد بن ولید کو فوج دے کر بھیجا کہ ان کی سرکوبی کی جائے، بہت سے قبائل عرب بھی برگشتہ اسلام ہو گئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے زیرک قیادت سے سبھوں کو آہستہ آہستہ زیر کیا اور پھر انہیں مطیع بنالیا۔ طُلیحہ پر آسانی سے فتح حاصل ہوئی، مسیلمہ سے یمامہ میں ۶۳۳ء میں جنگ ہوئی، جانبین نہایت دلیری کے ساتھ لڑے اور نہایت سخت خون ریزی کے بعد بنی حنیفہ کو شکست ہوئی، سات سو آدمی مسلمانوں کے مقتول ہوئے، بہت سے صحابہ نے تاج شہادت حاصل کیا، مخالفوں میں سے بارہ سو مارے گئے اور خود مسیلمہ کذاب مقتول ہوا، اس خوفناک جنگ میں بہت سے حافظ وقاری صحابہ بھی شریک تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا اگر اس طرح کی جنگ پھر ہوئی اور حافظ وقاری صحابہ شہید ہو گئے تو قرآن شریف کے عالموں کے نہ ہونے کی وجہ سے اصل متن کا پتہ لگانا ناممکن ہو جائے گا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا، آخر دونوں بزرگوں کی صلاح سے قرآن شریف کے جمع کرنے کا کام زید بن ثابت جو حضور ﷺ کے کاتب وحی تھے سپرد ہوا، انہوں نے نہایت تحقیق و چھان بین کے ساتھ قرآن شریف کے اجزاء کو جمع کیا یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی ہوا، یہ نسخہ بڑی صحت کے ساتھ تیار ہوا؛ کیوں کہ ہر آیت کے لئے کم سے کم دو گواہوں کی شہادت لی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پھر اس پر نظر ثانی کی گئی؛ کیوں کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ ملک شام کے اسلامی سپاہی قرآن شریف کو اور طرح سے پڑھتے ہیں، آخر ۶۵۱ء میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے حکم سے اس نسخہ کی نظر ثانی کی، اس میں تین آدمی قریش کے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مدد کو مقرر ہوئے تھے، جب یہ نسخہ تیار ہوا تو پہلے نسخے جمع کئے گئے اور جلا دیئے گئے، موجودہ قرآن شریف کا متن وہی ہے جو نظر ثانی کے بعد قرار پایا، اس متن میں تبدیلی وانحراف کا کوئی شبہ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اصل متن کے حافظ وقاری اس وقت موجود تھے، جنہوں نے اس کی صحت کو بالاتفاق تسلیم کیا، اس جماعت میں زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص، عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہم شامل تھے، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور کے نسخے پر اعتماد کرتے ہوئے، اختلاف کی صورت میں لغت قریش پر اعتماد کرتے ہوئے انہوں نے یہ نسخہ تیار کیا، پھر طوالت کے اعتبار سے سورتوں کا تعین کیا گیا، پھر دیگر تمام نسخوں کا جو اس کے مخالف تھے اس کو سن ۲۵ھ میں جلا دیا۔

1.6.2 قرآن کریم کے مشمولات

مکی سورتیں جو قرآن کا دو تہائی حصہ ہیں اصول دین پر مشتمل ہیں، جب کہ مدنی سورتیں اصول احکام پر مبنی ہیں، اصول دین کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی فکر کا محور دراصل اللہ کی وحدانیت ہے، لوگوں کو اس دنیا کے مظاہر اور مشاہد میں غور وفکر کر کے ایک اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا حکم کرتا ہے اور ان کو حصہ کائنات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی تنظیم، تخییر (نیک بنانا)، اس میں موجود مخلوق انسان کی منفعت کے لئے حیوانات پر بھی تدبر کے لئے بھی مدعو کرتا ہے۔ خود انسان کی پیدائش اور اس کی خلقت کے حوالہ سے بھی کہ وہ کیسے پیدا ہوا؟ کیوں پیدا ہوا؟ اور اس کے نظروں کے سامنے موجود سارے مشاہد ومناظر پر نظر ڈالنے کو کہتا ہے؛ تاکہ ان مخلوقات کے ذریعے خالق کے وجود کو جانا جائے جس

نے اس ساری کائنات کو منفعت انسانی کے لئے مسخر کیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد اور پھیلا دیئے زمین میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں'' [البقرۃ: ۱۶۴]

اس کے علاوہ قرآن کریم اللہ کے وجود پر منطقی دلائل بھی پیش کرتا ہے خود خطابی انداز میں ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہوتے ہیں، کبھی وہ اللہ کی اطاعت پر ان کے لئے ابدی نعمت ہے، ایسی نہروں کا وعدہ کرتا ہے جس میں ہر اپنی خواہش کی چیز پائیں گے، کبھی وہ ان کے لئے کافروں پر ہونے والے عذاب سے بھی آگاہ کرتا ہے اور ان کے برے انجام کا بھی تذکرہ کرتا ہے اور یہ عرب کے ماحول کے مطابق کبھی ان میں لذت وخوف کے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، تو کبھی ان کو ان کی چاہت والے لذت بخش پانی، میوے اور حور عین کی ترغیب دیتا ہے اور کبھی وہ انہیں ان کے جسم وجان کو جلانے والی آگ کی صورت کشی کرتا ہے جو ان کے جسموں کو بھون دے گی، قیامت کے دن، اس وقت کی گھبراہٹ اور خوف کے مناظر کو پیش کرتا ہے۔

وحدانیت اور شرک کی مذمت کے علاوہ قرآن کریم اللہ عزوجل کے لئے مختلف تخلیق وغیرہ کو ثابت کرتا ہے: أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ [النحل: ۱۷] (تو جو اتنی مخلوقات پیدا کرے بھلا وہ اس کے برابر ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟) اس کے علاوہ دیگر اللہ عزوجل کی صفات، اس کا خالق ہونا، قادر ہونا، عالم ہونا، ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہونا، اس کے علاوہ اللہ عزوجل کے وہ صفات جس کا تعلق انسان سے ہے، رحمن ہونا، رحیم ہونا، غفور ہونا، حلیم ہونا، انتقام لینے والا ہونا، عطا کرنے والا ہونا۔

اسی طرح قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی دعوت پر بات چیت کرتا ہے اور جو لوگ آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، ان پر ان کو مختلف زاویوں سے سمجھاتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

''اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا نہیں ہے یہ (قرآن) مگر ایک جھوٹ اس (رسول) نے گھڑ لیا ہے اسے اور مدد کی ہے اس کی اس پر کچھ اور لوگوں نے پس یقیناً وہ (اتر) آئے ہیں ظلم اور جھوٹ پر، آپ فرما دیجیے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے'' [الفرقان: ۴-۶]

اسی طرح قرآن، دینی، اجتماعی، معاشرتی، سیاسی اور سیاسی تشریع امور کو بھی شامل ہے جس کا خلاصہ اس آیت کریمہ میں ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ [الشوری: ۳۸] (اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں) اسی طرح قرآن کریم نے خصوصا عدل وانصاف، زواج، طلاق، خرید وفروخت، قرض ومیراث کے احکام بھی بیان کئے ہیں، اس کے علاوہ مسلمانوں پر فرض عبادتیں، نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور ان تمام چیزوں کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں، خصوصاً بہت ساری آیتیں لوگوں کے ساتھ تعامل اور اچھے برتاؤ اور اخلاقیات کو شامل ہیں، اخلاق حمیدہ، عادات کریمہ کو اختیار کرنے اور فواحش ومنکرات سے اجتناب کی قرآن کریم تعلیم دیتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانا، نیکی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا اور یہ امور عواطف اور وجدان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی طرف

دعوت اوران کا شوق دلانا تقاضا کرتا ہے،عرب کی عادت کے موافق اسلوبِ بیان، پختہ شاعرانہ طرز کا ہو، جو کہ اپنے واعظانہ قصوں، دلنشیں حکمتوں، دلکش مثالوں، مسحور کن وعدوں اور مرعوب کن دھمکیوں کی وجہ سے دل پر اثر انداز ہو،اس بناء پر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے لئے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس میں چھوٹی چھوٹی آیتیں،موزوں ومقفی جملے،عمدہ تشبیہات، بلند وبالا استعارے اور کنائے استعمال کئے گئے ہیں۔

۲۔ اصول واحکام سے متعلق سورتوں کے موضوعات میں عبادات اور معاملات نمایاں ہیں، ان کی توضیح کے لئے محکم،سنجیدہ اور پختہ طرز بیان اور اسلوب درکار ہے، یہ اسلوبِ بیان لمبے لمبے جملوں، مفصل آیات اور مقاصد کی وضاحت کا متقاضی ہے۔

۳۔ مسلمان قرآن مجید میں ہمہ تن مشغول اور کامل منہمک ہو گئے وہی مسجد میں ان کی دعا، گھر میں ان کا نظام، کردار میں لائحہ عمل اور حکومت میں ان کا دستور قرار پایا،اس کی رہنمائی ان کی روح رواں،اس کی وحی کا نزول ان کی طبیعت ثانیہ اور اس کتاب نے ان کی زبانوں، دلوں اور نظاموں میں ایسا اثر کیا جو دوسری کوئی آسمانی کتاب اپنے ماننے والوں پر اثر نہ کر سکی۔ جہاں تک ادب وزبان پر اس کی تاثیر کی بات ہے تو اس نے اس قدر سخت اور درشت قوموں کے دلوں میں جگہ بنائی، ان ٹھوس طبیعتوں میں داخل ہو کر ان میں محبت ومروت پیدا کر دی، ان کی سطحی عقلوں میں داخل ہو کر انہیں ٹھوس اور مضبوط بنا دیا، زبان کے اس عمل نے الفاظ میں مٹھاس، ترکیب میں سلاست، ادائیگی میں نزاکت، بولنے میں قوت اور معانی میں کثرت پیدا کر دی۔

۴۔ دین کے نئے الفاظ کی شمولیت نے زبان کا دائرہ کار وسیع تر کر دیا، مثلاً ''الصلاۃ'' (نماز) ''الزکاۃ'' (زکوۃ) القیام، الرکوع، السجود، الوضو، المومن، الکافر وغیرہ اور بہت سے جدید علوم کی ضرورت پیدا کر دی مثلاً نحو، صرف اور اشتقاق جس سے زبان کی خامیاں دور ہوتی رہیں اور قرآنی اعجاز ثابت کرنے کے لئے علم معانی، بیان اور بدیع وجود میں آئے اور اس کے نئے الفاظ کی تشریح اور مشکل الفاظ کی وضاحت کے لغت اور ادب کے علوم وجود میں آئے، اس سے شرعی احکام کے استنباط کے لئے حدیث، اصول حدیث، فقہ اور تفسیر کے علوم کی بنیاد رکھی گئی، یہی قرآن مجید ہے جس نے گزشتہ چند صدیوں میں ان علوم کے بقاء کی ضمانت دی اور دنیا کے دور دراز خطوں میں انہیں پھیلایا۔ فتوحات کی وسعت اور عربوں کے دیگر علاقوں میں رہائش پذیر ہونے کے نتیجے میں نئے نئے فرقے، قبائل وجود میں آئے جن کی زبانیں حد سے زیادہ بگڑی ہوئی اور مختلف تھیں، یہی صورتحال جب قرآن کریم کے ساتھ ہونے لگی تو علم قرأت کو مستقل فن کی حیثیت سے ایجاد کر دیا۔ قرآن کریم نہ صرف لغت قریش کو شامل ہے؛ بلکہ دوسری قبائل مصر، یمن وغیرہ کے لب ولہجہ بھی قرآن کریم کو شامل ہیں؛ بلکہ یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ بھی ہیں، جن کی تعداد سو کے قریب ہے، گرچہ بہت سے مفسرین علامہ ابن کثیر اور امام شافعی سمیت عجمی الفاظ کے ہونے کا انکار کیا ہے؛ لیکن ان کی تعریب ہونے کی وجہ سے یہ عربیت میں ایسے رل مل گئے کہ اس پر اب عجمیت کا اطلاق ہونے نہ لگا۔ مثلاً ''طوبیٰ'' کا لفظ حبشی ہے جس کے معنی ''جنت'' کے آتے ہیں، ''جبت'' کے معنی حبشی زبان میں ''شیطان'' کے ہیں، ''صراط'' بمعنی ''طریق'' راستہ کے یہ رومی لفظ ہے، ''رقیم'' لوح تختی کے معنی میں رومی لفظ ہے، ''استبرق'' حریر اور ریشم کے معنی یہ فارسی لفظ ہے، ''اباریق'' اکواب اور پیالوں کے معنی، نیز ''قیل'' دراصل ''پیل'' اور ''سجّیل'' اصل میں سنگِ گل فارسی الفاظ تھے اور ان کو عربی بنا لیا گیا، اس کے علاوہ دیگر عجمی الفاظ عربیت قرآن کے اعجاز کی وجہ سے خاص عربی ہو گئے۔

1.6.3 قرآن کریم کی امتیازات وخصوصیات

اہل عرب جو شاعری کے بانی اور موجد تھے اور زبان وبیان کے امیر تھے، انہوں نے جب اس قرآن کو سنا تو وہ اس کی عظمت ورفعت کے قائل ہو گئے اور اس حیرت واستعجاب میں پڑ گئے کہ اسے اصناف کلام کے کس صنف کے ساتھ منطبق کریں، شک واضطراب میں کبھی انہوں نے اسے شاعری

بتایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہا، کبھی جادو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر قرار دیا، کبھی کاہن کی مسجع کلام کا نام دیا، بہرحال ان کا اس کلام (قرآن) کے حوالہ سے حیرت اور اضطراب کا شکار ہوجانا جس نے ان کی عقل کو مفتون کردیا یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کلام نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کیا تھا۔

قرآن کریم اس لحاظ سے بھی معجز ہے کہ اس کی آیات پہلے محکم اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں، انسانی فن تنقید کی اتنی ہمت اور جرأت نہیں کہ اس کے گرد پَر تک مار سکے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربوں کے لئے چیلنج ہے کہ وہ اس کی مثل ایک ہی سورت ہی لاکر دکھائیں، بعد کے زمانے میں بعض مدعیان نبوت نے اس کی حجت اور چیلنج کو باطل کرنے کی کوشش کی؛ لیکن قرآن کی اس معارضت میں ان کو منہ کی کھانی پڑی۔

قرآن کریم نے انشاء پردازی کے فن میں ایسا طریقۂ کار اختیار نہیں کیا کہ لوگ جس کی اتباع کرتے جس پر نقد وجرح کا دروازہ کھلتا۔ ہاں؛ البتہ اس کا سب سے بڑا اثر نثر پر پڑا جو کہ قدیم طرز سے نکل گئی؛ کیوں کہ پہلے اس کے چھوٹے چھوٹے مسجع جملے ہوتے تھے اب وہ عمدہ اور بہترین شکل میں نظر آنے لگے جسے آپ کی احادیث، خطبوں اور رسائل میں اور صحابہ وتابعین کے خطبوں اور خط وکتاب میں دیکھ سکتے ہیں کہ جن کے جملے مربوط، موزوں، چیدہ الفاظ، خوشنما ترتیب، عمدہ تشبیہات، مضمون منطقی، مدلل اور پرزور اندازِ بیان جو کہ عقل ودل میں گھر کر جانے والا ہے، اسی طرح قرآن مجید نے قصہ نویسی، وصف بیانی، قانون سازی، منطقی استدلال، مواعظ حسنہ میں نثر پر بہت بڑا اثر ڈالا اور ایسے ترکیبیں اور موضوعات کا اضافہ کیا جن سے پہلے اہل عرب لابلد اور ناواقف تھے؛ لہٰذا اس کی آیات صدہا سال گزرنے کے باوجود خطباء کے لئے قوت اور انشاء پردازوں کے لئے زریں اصول ہیں، وہاں ان کی آیات سے اپنی کلام کو مزین کرتے ہیں جو ان کے استعمال کی وجہ سے نفاست اور خوبصورتی اس طرح ممتاز ہوتی ہیں جس طرح مصنوعی موتیوں کے ہار میں اصل موتی ممتاز ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے نزول سے عربی زبان کی قدر وقیمت ومنزلت بے انتہا بڑھ گئی، اس کی فصاحت وبلاغت کے آگے عرب کی سحر بیانی مات ہوگئی، لسان العرب کے اس دائمی معجزہ کے سامنے اہل سخن کی زبان گنگ ہوگئی، ارباب فضیلت واہل کمال نے مان لیا کہ ایسا کلام انسان کی طاقت سے نہ صرف باہر ہے؛ بلکہ اس کا ایک ایک جملہ اس کلام ربانی کا اسرار بلاغت کا نمونہ اور معانی وبیان کے اصول کا گنجینہ ہے، اس میں الٰہ العالمین جس کی آواز سے زمین وآسمان لرزتے ہیں بولتا ہے اور انس وجان وملائکہ سر جھکا کر اس کے کلام کو سنتے ہیں اور کسی کو چون چرا کرنے کی مجال نہیں، پیمانہ فصاحت یہ ہے، معیار بلاغت یہ ہے، زبان دانی کی جان وروح یہی ہے کہ قرآن مجید حفظ ہو اور اس کے لغات ومحاورات، اسرار ومعانی اور بیان پر عبور ہو، اصل ادیب وہی ہے جسے وقائعہائے فرقان حمید معلوم ہوں۔

1.6.4 اسلوب قرآن کریم

قرآن کریم کا اسلوب نہایت اچھوتا اور نادر اسلوب ہے، عرب نے اس سے قبل جس نثر نویسی کا آغاز کیا تھا بالکل اس سے علاحدہ؛ اس لئے عرب اس قرآن کریم کے نئے اسلوب اور انداز سے بہت متأثر ہوئے، کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے شاعر، کبھی ساحر اور کبھی کاہن کہا؛ اسی لئے جو ادیب محدثین ہیں وہ اسلوب قرآنی کے سلسلے میں مختلف ہیں، کیا یہ شعر ہے یا نثر؟ یا دونوں نہیں ہیں؟ حق یہ ہے کہ یہ نثر ہی ہے؛ لیکن یہ نثر مختلف انداز سے الگ ہے، یہ نثر سورتوں اور آیتوں پر مشتمل ہے، مستشرقین کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ تقسیم انجیل اور توراۃ اور دیگر صحائف کے مثل ہے، اس میں نظام فواصل بھی ہے جو قوافی کے مشابہ ہے، اس میں غالبا ملا جلا انداز ہے، اس میں سجع بندی کا لحاظ نہیں کیا ہے؛ اس لئے یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ بعض سورتوں کے شروع میں کچھ حروف ہیں جیسے: ''الٓمٓ'' اور ''حٰمٓ'' اور ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' ان حروف سے کیا مراد ہے؟ اس میں لوگ مختلف ہیں، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان حروف میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن ان حروف سے مرتب ہے، اس کے باوجود یہ معجز ہے، بعض لوگ کہتے ہیں: یہ مختلف کلمات کا مجموعہ ہے، مثلا: کٓھٰیٰعٓصٓ یہ ''کریم''، ''ھاد''، ''حکیم''، ''علیم''، ''صادق'' کا مجموعہ ہے، بعض اس کو جمع کرکے اس کے کلمات بناتے ہیں،

جیسے: ''الٓر'' اور ''حٰمٓ'' اور ''نٓ'' مجموعۃ ''الرحمن'' بعض لوگ کہتے ہیں: اس سے نبی کریم ﷺ کو یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ نزول وحی کا وقت قریب ہے، اسی طرح اہل مغرب نے بھی ان الفاظ کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے، مثلا: ''نولد کدا ور ہرشفلد'' کہتا ہے کہ اس سے قدیم اصحاب مصاحف کی جانب اشارہ ہے مثلا: ''طٰہٰ'' میں ''طلحه'' کی جانب اشارہ ہے، بعض کہتے ہیں: اس میں موسیقی کی جانب اشارہ ہے، یہ موسیقی کے کنجیوں کے مثل ہے، اس میں تلاوت کے سُر اور نغمہ کی جانب اشارہ ہے، بہرحال یہ قرآن کا اسلوب یہ لوگوں کے اقوال ہیں۔ کچھ سورتیں مکی ہیں اور کچھ مدنی ہیں، قدماء نے مکی اور مدنی آیات کی جانکاری کے لئے کچھ خصوصیات ملحوظ رکھے ہیں، اس کے ذریعے آیت کی نوعیت کا پتہ چل جاتا ہے، یہ اسلوب کا اختلاف درحقیقت قرآن کا مختلف ادوار میں مختلف احوال میں نازل ہونا ہے، جو تیئیس (۲۳) سال کی مدت کو شامل ہے، قرآن کا اسلوب دعوت اسلامی اور اس کے مختلف مراحل کے اعتبار سے مختلف ہے۔

قرآن کریم کا اسلوب مکی آیات میں ''خطابی'' پُراثر انداز کا ہے جس میں کبھی رسالت محمدیہ اور دعوت اسلامیہ، اللہ کے وجود اور اللہ کی وحدانیت، بت پرستی اور شرک کے بطلان پر جدلی انداز ہے، کبھی اس سلسلے میں ترغیبی اسلوب اور کبھی ترہیبی اور تخویفی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے؛ اس لئے مکی آیات میں عموماً اختصار، کثرت سجع، لہجہ کی درشتگی، خیال کی ندرت، قوت عاطفہ، شاعرانہ انداز، بعض الفاظ کا متعدد مرتبہ تکرار، جیسے: ''وَمَآ اَدْرٰىكَ'' جزالت الفاظ، قسم کی کثرت، تاکید والے حروف کا بکثرت استعمال، اسلوب میں تقدیم وتاخیر، ذکر وحذف، تکرار وسجع وغیرہ ہوتے ہیں، یہی چیز کفار ومشرکین کو اثر انگیز کرسکتی تھی، مثلاً سورۃ الفجر کی ابتدائی آیتیں ہیں:

وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ○ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ○ [سورۃ الفجر: ۱-۸]

قسم ہے فجر کی! اور دس راتوں کی قسم! اور جفت اور طاق کی! اور رات کی جب وہ گزرنے لگے! کیا اس میں قسم ہے عقل والے کے لئے، اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے کیا کیا قوم عاد کے ساتھ؟ جو قوم ارم تھی یہ لوگ ستون والے تھے، وہ جو نہیں پیدا کیا گیا ان جیسا کوئی شہروں میں۔

بعض مستشرقین نے کہا ہے کہ محمد ﷺ مکی سورتوں میں کاہنوں کی سجع سے متاثر نظر آتے ہیں، انہوں نے ان کاہنوں کے اسالیب کو لعن طعن، برکت اور مختلف اشیاء غریبہ کے موقع سے استعمال کیا ہے، محمد ﷺ نے یہاں عجیب وغریب الفاظ استعمال کئے ہیں، جیسے: اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ○ [الصافات: ۱۳۰] (سلام ہو الیاسین پر)۔

مدنی آیات میں قرآن کریم نے مملکت اسلامیہ کے انتظامی امور، یہود وغیرہ پر رد کیا ہے، عبادات اور معاملات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں آیات لمبی ہیں، پرسکون لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے، مؤمنین کو خطاب کرنے کے لئے نرم گداز الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، سجع کی کمی ہے، غالبا اس میں خطابی اسلوب کے بجائے تقریری (تشریعی) اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔

اسلوب قرآن کے مختلف خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امثال اور معنوی افکار کو حسی اشکال میں پیش کیا گیا ہے؛ تاکہ دلوں میں بات جلد جاگزیں ہوجائے، اکثر اس میں مثالیں عرب ماحول سے ہم آہنگ اور مشاہد چیزوں کی یا تاریخی واقعات کو بطور انداز وتخویف یا تذکیر اخلاق حسنہ پر ابھارنے، مکارم اخلاق کے اپنانے کے واسطے لئے گئے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○ [الرعد:۱۷]

''اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے پھر بہتے ہوئے پانی نے اپنے اوپر جھاگ کو اٹھایا جو پانی پر بلند ہے اور جن چیزوں کو آگ میں ڈال کر اوپر سے جلاتے ہیں تاکہ زیور یا کوئی دوسری نفع کی چیز حاصل کریں اس میں بھی اسی طرح کی جھاگ ہے اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ سو جو جھاگ ہے وہ تو بے فائدہ ہو کر چلا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے ہی مثالیں بیان فرماتا ہے''۔

تاریخ کے سلسلے میں یہ آیت ہے:

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ○ [ابراهيم:۴۵]

''حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہ میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ بات تم پر ظاہر ہوگئی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں''۔

ایک خصوصیت ''تکرار'' ہے یا تو معنی تکرار ہے، ایک ہی قصہ کو متعدد جگہوں پر مختلف عبارات میں ذکر کیا جاتا ہے یا یہ تکرار الفاظ کا ہوا کرتا ہے جس میں اس قطعہ اور ٹکڑے کی غنائیت اور موسیقی دوسرے ٹکڑے کے متوازی ہوتی ہے، اس کی مثالیں بکثرت سورہ نمل، سورہ رحمن، مرسلات اور سورہ قمر میں موجود ہیں، پہلی سورہ میں ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کا تکرار ہے، دوسری سورہ میں فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ کا تکرار ہے، تیسری سورہ میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ کا تکرار ہے، چوتھی سورۃ میں فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ کا تکرار ہے، یہ تکرار خطابی اسلوبی کے موافق اور مناسب ہے جس طرح یہ شعر میں ہوا کرتا ہے، اس طرح نثر میں بھی ہوتا ہے اور یہ اسلوب میں جمال کا باعث اور دلوں میں اثر انگیزی پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

ایک خصوصیت ''قطعات'' کی ہے، غالباً پورا موضوع کے اعتبار سے مرتب نہیں ہے، ایک ہی سورہ میں ایک فکر سے دوسری فکر کی جانب منتقل ہوا جاتا ہے، اسی لئے ایک ہی قصہ کئی ایک جگہوں پر مذکور ہوتا ہے، کبھی مفصلاً کبھی مجملاً ایک ہی جگہ میں مکمل قصہ نہیں ہوتا ہے، یہ اس واسطے ہوتا ہے کہ قرآن میں قصص اور واقعات مقصود بالذات نہیں ہیں، جیسا پچھلی کتابوں میں اور تاریخ کی کتابوں میں سارا قصہ مبسوط اور مرتب انداز میں ذکر کیا جاتا ہے؛ بلکہ واقعات وقصص قرآن سے مقصود اور مطلوب ترغیب اور ترہیب ہے، جہاں نصیحت کا موقع ہوتا ہے وہاں اس قصہ کا تکرار ہوتا ہے تو مواقع اور مناسبتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی تطویل اور تقصیر میں کوئی حرج نہیں ہوا کرتا۔

قرآن کی ایک عمومی خصوصیت ''ایجاز'' ہے، تعبیر میں ایجاز اس وجہ سے ہوتا ہے، اس قدر معنی کی وضاحت نہیں ہوتی، یہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہوتا ہے، یہ اس کی وجوہات اور تفاصیل کا ذکر اس کو اس کی شعری اور نثری سے نکال دیتا ہے، اس کو ایک عام نثر بنا دیتا ہے، قرآن کا اسلوب واضح ہے، اس میں شعری اور بلاغی اسلوب ہوا کرتا ہے، زیادتی وکمی، ذکر وحذف، صیغوں کا اختلاف، ایجاز، اطناب (طوالت) نے قرآن کو محکم اور معجز بنا دیا ہے؛ اس لئے یہ اسلوبِ قرآن بالکل فن بلاغت کے اعتبار سے معجز ہے، عرب اس کے اسلوب، صیغوں اور خطابات سے بہت متاثر ہوئے تھے، بہرحال ان مختلف اسالیب قرآن نے قرآن کو فن بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا ہے اور اس کو کلام معجز بنا دیا ہے۔

1.7 تعارف حدیث شریف

رسول اکرم ﷺ کے اقوال، ارشادات، افعال اور صحابہ کا آپ ﷺ کے متعلق کسی بات بتانے کا نام حدیث ہے، دینی وثقافتی امور میں کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ حدیث شریف کو حاصل ہے، عبادات اور حقوق سے متعلق قانون سازی کا یہی سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ ہے اور فہم قرآن کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

جو حدیث نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب ہو اس کو ''مرفوع''، جو صحابہ کی جانب منسوب ہو اس کو ''موقوف'' اور جو تابعی کی جانب منسوب ہو اس کو ''مقطوع'' کہتے ہیں۔ حدیث ہی قرآن کے مشکل مقامات کی وضاحت، مجمل کی تفصیل، مطلق کی تقیید اور عموم کی تخصیص کرتی ہے۔ اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو وضاحت، الہام، اور خداداد صلاحیت میں لاثانی بنایا تھا، آپ ﷺ قریش میں پیدا ہوئے اور بنوسعد میں دودھ پیا جو کہ تمام قبائل میں فصیح تر ہے، نیز آپ ﷺ کا زبانِ قرآن پر کامل عبور، زبان عرب پر مکمل دسترس، اعلیٰ اسالیب بنانے کی فطری صلاحیت، فقہی و دینی مطالب ومعانی بیان کرنے کے لئے نئے نئے الفاظ کی وضع کرنے پر قدرت اور بے مثل صلاحیت نے اس پر فصاحت و بلاغت کی دلکشی کی مہر ثبت کردی ہے، ویسے حدیث ظاہر ہے کہ روزمرہ عام گفتگو کی قسم سے الگ نہیں، جو ہر مجلس میں ہوتی اور موضوع اور عنوان کو شامل ہوتی ہے، برجستگی، غور وفکر کی کمی، جگہوں اور حالات کے اختلاف سے گفتگو میں اختلاف ہونا فطری تقاضا ہے؛ لیکن حدیث رسول ﷺ کی شان ہی نرالی ہے، اس کا طرز بیان زمانہ نبوت سے قربت کی وجہ سے اسلوب قرآن کے مماثل اور قریب تر ہے، تاہم وہ اپنی ظاہری چمک دمک، عبارت کی ترتیب وروانی، واضح ومعین معانی ومطالب کے بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ اور جملے لانے، بیان کے حسب حال ہونے اور مخاطب کی بولی کے مطابق الفاظ لائے جانے کی وجہ سے ممتاز ہے۔

1.7.1 تدوین حدیث

احادیث شریفہ کو دور رسالت میں مدوّن ومرتب نہیں کیا گیا؛ چونکہ تدوین حدیث سے یہ خدشہ تھا کہ اس کا قرآن کے ساتھ اس کا التباس ہوجائے، تو اس دور میں احادیث کو قرآن شریف کے ساتھ التباس کے اندیشہ سے مدون نہیں کیا گیا، اس کے باوجود بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہد رسول میں بعض صحیفوں اور نبی کریم ﷺ کے خطبات کی شکل میں کچھ احادیث جمع کی تھیں، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے احادیث کو لکھ کر رکھ لیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے والد محترم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریبا پانچ سو احادیث جمع کی تھیں، پھر ایک رات انہوں نے نہایت بے چینی کے عالم میں اس کو جلادیا؛ لیکن اس طرح احادیث کے جمع کرنے کا طریقۂ کار رائج نہ تھا، اس کے کچھ خاص اصول بھی وضع نہیں کئے گئے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے حدیث کو نقل کرتا تو اس سے دلیل طلب کرتے، اس طرح انہوں احادیث کا اشتغال اس واسطے نہیں رکھا کہ قرآن کے ساتھ اس کے التباس کا اندیشہ تھا؛ لیکن حضور اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد احادیث نبویہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سینوں میں محفوظ رہیں، دور صحابہ اور دور خلفاء میں احادیث کے حوالہ سے روایت سے کام لیا جاتا تھا، اس کے بعد دوسری صدی کے وسط میں جب اسلام کو خوب فروغ حاصل ہوگیا، اسلام دنیا کے اکثر خطوں میں پھیل چکا، مختلف فکر وخیال کے حامل افراد داخل اسلام ہوئے اور اہوائے نفس اور بادشاہوں کی خوشامدی اور ان کی چاپلوسی کے لئے لوگوں میں وضع احادیث کا خطرہ پیدا ہوگیا، خلافت کے معاملہ میں انصار اور مہاجرین کی مدح اور شیعہ، خوارج اور امویین اور عباسین کے حوالہ سے بہت ساری احادیث گھڑی جانے لگیں، قبائلی عصبیت اور گروہی تعصب نے قبائل عرب کو وضع حدیث پر آمادہ کیا، سیاسی اختلاف کے علاوہ دینی اختلاف نے بھی شیعہ، سنی اور خوارج وغیرہ کی شکل میں وضع حدیث کے لئے ابھارا۔ اس کے علاوہ بے شمار اسباب جن میں اسلام میں جبرا داخل ہونا، اسی طرح بادشاہوں کی قربت، ان کے یہاں قدر ومنزلت کے حصول کے جذبہ سے بھی لوگ وضع حدیث میں لگ گئے، اب ایسے محقق پیدا ہوئے جنہوں نے کلام متقدمین، احادیث اور واقعات کو بڑی چھان بین کے ساتھ

اورنہایت تدقیق اور باریک بینی کے ساتھ جمع کیا اورانہیں کتابوں میں قلمبند کیا، تدوین حدیث کے یہ کام دوسری صدی کی آخری دور میں شروع ہوا جس میں چند ایک مسانید، عبیداللہ بن موسیٰ عبسی اور مسدد بن مسرہد کی تصانیف شامل ہیں، پھر تیسری صدی میں صحاح ستہ اور مسند احمد وغیرہ مرتب کی گئیں۔

لیکن حدیث کی تدوین تقریبا دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئی جب کہ اس سے پہلے فقط حافظہ سے روایت کی جاتی تھی، حافظہ اکثر غلط فہمی کا شکار ہوجاتا ہے؛ لہٰذا جاہلی نثر سے بھی زیادہ لفظی تبدیلیاں اور روایتی اختلافات سامنے آئے، اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ علماء حدیث نے یہ کہتے ہوئے روایت بالمعنی کی اجازت دے دی کہ سالہا سال تک لفظی محافظت مشکل ہے اور ادھر سیاسی جھگڑوں نے سر اٹھایا اور دینی جماعتیں وجود میں آئیں، خواہشات کے غلاموں نے رسول اکرم ﷺ پر کذب بیانی کو جائز قرار دے دیا؛ چنانچہ ایسے لوگوں نے اپنی ہوی ونفس اور دعوت کی تائید میں اور رجحان اور فکر کی ترجیح وتوثیق کے لئے ہزاروں جھوٹی حدیثیں بناڈالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم موضوع حدیثوں کے خطرہ اور کتاب اللہ سے شغف رکھنے کی بناء پر روایت حدیث کی کثرت سے گریزاں کیا، کہیں موضوع احادیث کی وجہ سے کتاب اللہ میں اختلاف نہ پیدا ہوجائے اور لوگوں کی توجہ قرآن سے ہٹ نہ جائے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرطبہ بن کعب اور اپنے آس پاس کے بعض صحابہ کو جب وہ عراق جانے لگے تو کہا: تم ایسی بستی میں جارہے ہو جن کی آوازیں تلاوت قرآن سے شہد کی مکھی کی آواز کی طرح گونجتی ہیں، تم انہیں حدیث میں مشغول کر کے اس گونج سے نہ روک دینا، قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنا اور حدیثیں کم روایت کرنا، شاید کہ اسی خوف کے پیش نظر انہوں نے حدیث جمع کرنے کا اشارہ ارادہ ترک کردیا جیسا کہ انہوں اس سے پہلے جمع قرآن کا اشارہ دیا تھا؛ تاکہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی دوسری کتاب ایسی شریک نہ ہوجائے کہ لوگ اس پر کامل توجہ دیں اور قرآن پر ان کی توجہ کم ہوجائے اور کتاب اللہ کسی دوسری چیز کے ساتھ خلط ملط نہ کردیں۔

بہرحال جمع احادیث کا کام بعد کے ادوار میں نہایت چھان بین کے ساتھ ہوا، محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے نقد وجرح کے اصول کے موافق احادیث کی کتابوں کو مرتب کیا، بحیثیت ادب عربی کے ایک صنف کے بہت فروغ حاصل ہوا؛ کیوں کہ آپ میں طبعی قوت، پاکیزگی حس، حسن انداز، تیزی ذہن، قدرت زبان اور وحی کی اعانت سے ایسی صفات جمع ہوگئی تھیں جو کسی اور میں جمع نہیں ہوئی تھیں، آپ اپنے کلام میں اختصار اور اجمال سے کام لیتے، بات میں بات نکالتے اور فن بیان کے طریقوں پر چلتے، آپ نئی نئی ترکیبیں وضع کرلیتے اور اصطلاحی الفاظ ایجاد کرتے تھے، یہاں تک جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا وہ فن بیان کے محاسن میں ایک حسن اور زبان کے اسرار میں سے ایک ایسا رمز بن جاتا جس سے زبان کے ذخیرہ میں اضافہ اور ادب میں قدر وبلندی کا سبب بن جاتا۔

1.7.2 حدیث شریف کے امتیازات وخصوصیات:

کلام اللہ کے علاوہ کلام معجز نما کلام رسول ہے جو ادبیت کے اعتبار سے بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے، آپ ﷺ کی زبان نہایت خالص وفصیح، پاکیزہ وبلیغ تھی، متقدمین ومتاخرین دونوں کے سر آپ کے آگے نیچے ہیں، جو حدیثیں جمع کی گئی ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ بڑے قادر الکلام تھے، پس جو ادبیت میں کامل ہونا چاہتا ہے، وہ حدیثوں کو ضرور پڑھے، شاعروں اور خطیبوں کے اعلی سے اعلی جوہر آپ ﷺ کی بات بات میں دکھائی دیتے ہیں، گہرے سے گہرے مطالب کو آپ ﷺ آسانی سے شستہ وخوش اسلوب پیرایہ میں ادا کرلیتے ہیں اور جوش وسنجیدگی کے موقع پر بلا کی تاثیر اور حلاوت ولطافت آپ ﷺ کی تقریروں میں آموجود ہوتی تھی، ایسا کہ سامعین پر عجب رعب طاری ہوجاتا، آپ ﷺ کے لفظوں میں جان وحرکت تھی جو سننے والے کے دل پر اثر انگیزی اور اسے آپ ﷺ کا منقاد اور مطیع بنالیتی۔

کلام حدیث کی دوسری زبانوں سے مطابقت اس وقت نمایاں شکل میں ظاہر ہوتی تھی، جب رسول اکرم ﷺ باہر آنے والے وفود سے ہم کلام

ہوتے، آپ ﷺ غریب اور غیر مانوس الفاظ استعمال کرتے، موزوں و مقفی الفاظ کا التزام کرتے اور وفود کی زبان کے مطابق متروک الفاظ ذکر کرتے جو ان کی زبانوں میں مستعمل تھے۔

اکثر احادیث مبارکہ میں روانی طبع، برجستگی، جلال نبوت اور رونق فصاحت نمایاں ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو تشبیہ و تمثیل، حکیمانہ کلام اور شستہ جواب پر حیرت انگیز طور پر قدرت حاصل تھی، یہی امتیاز آپ ﷺ سے ماقبل رسولوں خصوصا حضرت عیسی علیہ السلام کو حاصل تھا؛ کیوں کہ رسول امت کے لئے معلم و مربی کی حیثیت رکھتے ہیں اور طریقہ تعلیم و تفہیم میں کارگر طریقہ کار تمثیل اور طرز تکلم ہوا کرتا ہے جس کے لئے کبھی آپ ﷺ ہاتھوں کے اشارات، انگلیوں کی بلندی وغیرہ کا بھی سہارا لیا کرتے تھے۔

پہلی صدی ہجری کا نثر میں اعلی نمونہ احادیث شریفہ ہیں؛ چونکہ خود حضور اکرم ﷺ افصح العرب اور ابلغ العرب تھے، آپ ﷺ نے تعبیر کے فن میں نئے اسلوب، بیان کی اشکال اور تمثیلات ایجاد کیں، حضور اکرم ﷺ کے یہ اقوال ادب کے اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتے **"حمی الوطیس"** (جنگ شدت اختیار کرگئی) اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد **"رفقًا بالقواریر"** اس سے عورتیں مراد لی ہیں، اسی طرح **"إیاکم وخضراء الدمن"** یعنی بری جگہ اور محل سے بچو، احادیث میں بھی عام نثر ادب کے مثل، تعبیر میں ایجاز، صنعت بلاغت میں عدم تکلف، سجع پسندی سے دوری، معانی اسلامیہ کی پر اثری وغیرہ۔

لیکن حدیث رسول کی اثر آفرینی، معنی خیزی، دین کے امور میں راہ ہدایت کی رہنمائی و رہبری کا کام انجام دیتی ہیں، احادیث رسول مسلمانوں کے لئے مرجع و منبع بن گئے، ان کے دنیاوی اور دینی امور میں اس سے رہنمائی و رہبری کا کام لیا جانے لگا، قرآن کے اجمال کی تفصیل، احکام کے تفاصیل، اخلاق کریمہ سے آراستگی اور اخلاق سیئہ سے اجتناب۔ ان تمام امور نے مسلمانوں کو احادیث کے ساتھ مشغول رکھا، جس کی وجہ سے عام نثر کی طرح احادیث کو بھی اس کی روحانی بلاغت اور نبوی فصاحت کا زبان و ادب پر اثر محتاج بیان نہیں۔

ہم یہاں چند ایک احادیث ذکر کرتے ہیں جس سے اس کی لغوی، ادبی حیثیت، بلاغت اور تعبیر اور طرز و اسلوب ادائیگی، برجستگی، معنی خیزی اور اثر آفرینی کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ **"من سرّہ أن یبسط علیہ رزقہ ولا ینسا فی أثرہ فلیصل رحمہ" (مسلم، باب صلة الرحم وتحریم قطعیتها، حدیث: ۲۵۵۷)** ''جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ اس پر اس کا رزق کشادہ کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کو یاد رکھا جائے تو چاہئے کہ وہ اپنی رشتہ داری کو جوڑے''۔

۲۔ "مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی"(مسند احمد، حدیث النعمان بن بشیر عن النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۸۲۷)''مؤمنین کی مثال باہمی محبت، ہمدردی اور شفقت میں جسم کی سی ہے کہ اگر انسان کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو شب بیداری اور بخار کا احساس ہوتا ہے''۔

۳۔ إن الرفق لا یکون فی شیء إلا زانه، ولا ینزع من شیء إلا شانه (مسلم: باب فضل الرفق، حدیث: ۲۵۹۴)''نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے زینت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے بھی کھینچی جاتی ہے، اسے بدنما اور عیب دار کردیتی ہے''۔

۴۔ "مثل ما بعثنی الله به من الهدی کمثل الغیب الکثیر، أصاب أرضا فکان منها نقیة، قبلت الماء، فأنبت الکلأ، والعشب الکثیر، وکانت منها أجادب أمسکت الماء، فنع الله بها الناس، فشربوا وسقوا وزرعوا، وأصاب منها طائفة أخری، إنماهی قیعان لا تمسك الماء، ولا تنبت الکلأ، فذلك مثل من فقه فی دین الله، ونفقعه ما بعثنی الله به فعلم وعلّم، ومثل من لم

يرفع بذلك رأسا، ولم يقبل هدى الله الذى أرسلت به" (بخاری،باب فضل من علم وعلم،حدیث:۷۹)

''جوعلم اور ہدایت اللہ تعالی نے مجھے عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو زور کے ساتھ زمین پر برسے جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت گھاس اور سبزہ اگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے، پھر اللہ تعالی اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس کو پیتے اور جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتی کو سیراب کرتے ہیں اور کچھ بارش زمین کے ایسے حصہ کو پہنچے کہ جو بالکل چٹیل میدان ہو، نہ وہاں پانی رکتا ہو اور نہ سبزہ اگتا ہو، پس یہی مثال ہے اس شخص کی جو اللہ کے دین میں فقیہ ہو جائے اور اس کو پڑھے اور پڑھائے اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس کی طرف سر تک نہ اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہو، قبول نہ کیا''۔

1.8 خطابت اسلام اور اموی عہد میں

خطابت نے عہد اسلامی و اموی میں عربی ماحول کے لحاظ سے فنی اعتبار سے بہت ترقی اور بام عروج کو پہنچ گئی، اسلام اور قرآن نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا تھا جس کا عربی ادب پر بہت گہرا اثر پڑا۔ شعر کے بجائے نثر میں اس کا خوب اثر ظاہر ہوا، چونکہ نثر کی فکری اور اجتماعی ترقی اور عروج ہم مثل اور ہمسر تھی، جب کہ شعر ترقی کے اسباب و دواعی کو اپنانے اور اختیار میں اپنی دقت اور باریکی کی وجہ سے اس سے ہم آہنگ و ہم مثل نہ تھی۔

اسلام کا ظہور اور اس کی دعوت و تبلیغ نے خطابت کو کمال اوج و ترقی پر پہنچ دیا، اور نظام مملکت خطیبوں کے ہاتھ میں دے دیا تھا، دین کی طرف دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، فتنوں کا استیصال، بدعتوں کا قلع قمع کرنا اور فوج کو دشمنوں کے خلاف تیار کرنا ہی حقیقت میں خطابت کے اغراض و مقاصد تھے، آیات قرآنیہ اور اس کے دلائل اس کے لئے نہ خشک ہونے والا چشمہ اور نہ ختم ہونے والا تعاون بن گئے، شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوئے اور وہ مختلف جماعتوں میں بٹ گئے تو خطابت نے عظیم الشان ترقی کی؛ کیوں کہ ہر گروہ کو اپنے نظریات کی اشاعت اور اپنی تبلیغ کی تائید کے لئے خطابت کا سہارا لینا پڑا۔

حلاوت الفاظ، متانت اسلوب، قوت تاثیر، قرآنی آیات سے اقتباسات و حوالہ جات، مطلب سمجھانے اور وعظ و نصیحت کے لئے قرآنی طرز بیان کی اقتداء اور حمد و صلاۃ سے ابتداء اس دور کی خطابت کی امتیازی اوصاف اور خصوصیات رہے ہیں۔ اس طرح عہد جاہلیت کی خطابت اور اس دور کی خطابت میں زمین و آسمان کا فرق ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں قرآن شریف کی سورتیں، حدیثیں اور خلفاء کے اقوال یہ سب تقریروں میں شامل کئے جاتے جن سے ان کی حالت یکسر بدل جاتی۔

اہل عرب زمانہ جاہلیت سے تقریر کے وقت عمامہ باندھتے، عصا ہاتھ میں لیتے اور اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، صرف ولید بن عبدالملک نے بیٹھ کر تقریر کی، مختصر یہ کہ ادوار زبان میں کوئی زمانہ اس دور کی طرح خطابت میں عروج حاصل نہ کر سکا؛ کیوں کہ اس دور میں لوگ شاعری سے ہٹ کر خطابت کی طرف مائل ہو گئے تھے اور دین و سیاست کا دار و مدار فن خطابت پر ہی تھا اور کثرت سے خطیب پیدا ہوئے۔

اسلامی تعلیمات، نیکی اور زہد کے خیالات، روحانی رفعت اور علو خیالی کا اثر اس عہد کی خطابت میں بہت نمایاں ہے، چاروں خلفاء (راشدین) اور خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ خطابت کے امام مانے جاتے تھے، اس دور کے اچھے خطیب خلفاء راشدین کے دور تک رہے جن میں مصعب بن زبیر، قطری بن الفجائۃ، زیاد بن ابیہ اور سحبان بن وائل بہت مشہور ہوئے۔

اس دور کے مشہور مقررین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، زیاد بن ابیہ، حجاج بن یوسف وغیرہ ہیں۔

1.8.1 خطابت کے ترقی کے اسباب:

۱۔ خطابت نے اس دور میں اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بن گیا، مسلمانوں کی وعظ و نصیحت اور دینی تعلیم کے عام کرنے، مسلمانوں کو

مکارم اخلاق پر ابھارنے کی وجہ بن گیا، مشرکین اور ان کے خلاف حجت اور ان کے عقائد کے فساد اور بگاڑ کو بیان کرنے کا باعث بن گیا، رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کو فصاحت اور طلاقت کی وجہ سے خطابت پر خوب عبور حاصل تھا، قرآن اور سنن رسول کے ذریعے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے، اس دور کے تمام شہروں کے والیوں کے خطابت کا ہدف اور منبع اور مصدر یہی رہے ہیں۔

۲۔ جب دین اسلام کو فروغ حاصل ہوگیا، اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور مساجد اور بیوت اللہ کی تعمیر ہوئی تو خطابت سے مساجد کے منبر مزین ہونے لگے، تمام دینی امور جمعہ، عیدین اور حج کی ادائیگی سے پہلے خطبہ دیئے جانے لگے، پھر مسجد کے منبر سیاسی امور کی آماجگاہ بن گئے تو مسجد میں خطبہ کی شکل میں بیعت لی جانے لگی، جس میں خلفاء اپنے منصوبہ کو پیش کرتے، اسی طرح دیگر شہروں کے گورنر بھی مسجد کے منبر سے اپنے حکومت کے طریقہ کار، ٹیکس اور عوام کے حقوق کو بیان کرتے، اس کے لئے خلفاء اپنے زبان داں اور زدولسان گورنروں کو تقرر کرتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں خطابت میں دینی رنگ کا غلبہ ہوا کرتا تھا اس میں قرآن کا اسلوب اور افکار اسلامی کا بہت اثر اہوا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں جو لوگ حلقہ اسلام بگوش ہو گئے تھے، جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین کو سرنگوں کرنے میں لگ گئے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات اسلامی کا دروازہ وا ہوا، تو مسلمانوں کے لشکر نے عراق، شام، فارس وغیرہ ممالک حملہ کیا، اسلام کا رقبہ بڑھ گیا، واقعات اور حوادث میں اضافہ ہوا تو مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے اور مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو مخاطب کرنے کے لئے خطابت کا سہارا لینا پڑا، اس طرح خطبہ دین اور سیاست کا مجموعہ بن گیا۔

۴۔ بعد کے ادوار میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا اور شیعہ، خوارج اور اموی جیسے جماعتیں وجود میں آئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی پیدا ہوگیا، تو تمام سیاسی اور دینی فریق خلافت کے معاملہ میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو گئے، خلافت کے معاملے میں نزاع خلفاء راشدین کے ابتدائی دور میں مہاجرین اور انصار سے لے جس میں خطبہ سقیفہ بنی ساعد بہت مشہور ہے، دیگر سیاسی اور دینی اور گروہی خطبات، شیعہ اور خوارج کا آپسی نزاع، حکومتوں ان دونوں میں سے ایک کا سہارا بننا یہ تمام امور نے خطابت کو بڑھا اور ترقی دیا۔

۵۔ پھر اموی دور میں جب عرب کا دیگر تہذیب وتمدن سے اتصال ہوا، تو مختلف دینی اور فلسفی افکار ابھر آئے جس پر بنی امیہ کو لگام لگانا پڑا، ان فرقوں میں جہمیہ، مرجئہ، قدریہ اور معتزلہ جیسے فرقے اپنے مدعا کے ثبوت میں خطابت سے ہی سہارا لیتے تھے اور یہ خطبات دلائل وبراہین سے پُر ہوتے تھے، اس میں جہاں لفظی شان وشوکت ہوتی وہیں یہ قوت گویائی پر بھی مشتمل ہوتے۔

۶۔ خالص واعظ قسم کے خطباء جو دین واسلام کی بات کرتے اور لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی راہِ راست کو اپنانے کو کہتے، ان لوگوں نے مساجد کو مرکز بنا کر حلقہ وار خطبات دینے لگے، جن کے مریدین اور متوسلین کا ایک بڑا مجمع ہوا کرتا انہیں میں تمیم داری، حسن بصری، غیلان دمشقی وغیرہ شامل ہیں۔

1.8.2 خطابت کے خصوصیات

ان خطبات کے عہد اسلامی اور عہد اموی میں کچھ خصوصیات تھے جس کا کچھ خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خطبات کے کچھ اصول تھے جن میں اللہ کی حمد وثنا سے ابتدا کرنا، آیت قرآن سے خطبات کو مزین کرنا، اس دور میں قرآن کریم اور اسلامی تہذیب وثقافت کا خاص اثر خطابت پر رہا، ہم کبھی تو تمام خطبہ ہی قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا تھا، جیسے: مصعب بن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی بیعت کے لئے خطبہ دیا تھا، کبھی معنی قرآن کریم سے استدلال کیا جاتا۔

۲۔ بلکہ قرآن کریم اور اس کے اقتباسات ہی نہیں؛ بلکہ اسلامی الفاظ کا استعمال اور اسلوب قرآن کی حکایت کی جانے لگی، الفاظ شیریں، تعبیر رقیق

اور جملے دل میں اثر کرنے والے، خطبات کی شکل اور ہیئت اور افکار وخیالات میں میں بھی قرآنی رنگ صاف نظر آتا ہے، خواہ دینی اغراض یا سیاسی خطیب اسلامی افکار اور قرآن افکار کا ہی سہارا لیتا۔

۳۔ اس زمانے کے خطباء نے سجع بندی، تکلف وتصنع بالکل چھوڑ دیا تھا، یہ صرف کچھ شیعہ واعظوں کے خطبات میں پائی جاتی ہیں، سجع بندی، قافیہ سازی کے ختم ہونے کی وجہ بھی یہ اسلام کا اثر ہے، چونکہ قرآن نے اس کا التزام نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ نے بھی بتکلف سجع بندی کو منع کیا ہے، جو زمانہ جاہلیت کے سجع سے تعلق رکھتا ہے۔

۴۔ شعراء کبھی اشعار یا بعض جاری امثال کا سہارا لیتے جس سے وہ اپنے خطبات کو مرصع کرتے، اس کا التزام تمام خطبوں میں نہیں ہوتا تھا، قدامہ بن جعفر اپنے کسی طویل خطبہ میں یا محفل میں شعر کا استعمال نہیں کرتے۔

۵۔ اس زمانے کے خطبات کی ایک خاص بات خطبات کے فقرات اور جملوں میں ہم آہنگی اور ربط ہوا کرتا، زمانہ جاہلیت کے خطبات میں کسی طرح کا ارتباط نہیں ہوا کرتا تھا، عہد اسلامی واموی کا مربوط اور ہم آہنگ پیدا کریں گے، خطبہ ایک مقدمہ سے شروع ہوتا پھر مدعا اور مقصد بیان کیا جاتا پھر خاتمہ ہوتا۔

1.9 رسائل

عربی تحریر اور خط کی ابتدا کے حوالہ سے تو علم نہیں؛ لیکن بعض قدیم عرب مؤرخین کا کہنا ہے کہ عربی، سریانی اور دیگر خطوط اور تحریروں کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کے پردہ فرمانے سے تین سال پہلے پیدا ہوئے (العقد الفرید: ۴/۱۵۶)؛ لیکن اکثر مؤرخین کا کہنا ہے خط عربی یہ خط حمیری سے ماخوذ ہے، بہر حال جب اسلام کی آمد ہوئی تو عرب ابتدا خط حجازی میں لکھا کرتے تھے، پھر خط کوفی وغیرہ اختیار کئے جانے لگے، اسلام کے ابتدائی دور میں حروف غیر منقوط ہوتے تھے، قرآن میں لحن اور تحریف کا اندیشہ ہوا تو عصر بنوامیہ کے اوائل میں مختلف حرکتوں پر دلالت کرنے والے رنگین نقطے لگائے گئے، ابوالاسود الدؤلی (المتوفی: ۶۹ھ) ان کے تلامذہ کے ہاتھوں یہ کام انجام پایا، نصر بن عاصم (المتوفی: ۸۹ھ) اور یحی بن یعمر (المتوفی: ۸۹ھ) کے زمانے میں موجودہ نقطے لگائے گئے؛ لیکن یہ نقطے اور حرکات ابتدا صرف قرآن کریم پر ہی لگائے جاتے تھے، کاتب کے لئے نقطہ اور حرکت کے لکھنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا، بہر حال اسلام کی آمد کے بعد کتابت اور تحریر کی ضرورت زیادہ محسوس ہوئی، وحی لکھنے کے لئے اور امراء اور بادشاہ اور قبائل کے رؤوساء کے قبول اسلام کے لئے خطوط لکھے جاتے تھے، معاہدات، مواثیق وغیرہ سیکھنے کے لئے بہت سے صحابہ آگے بڑھے، خود قرآن کریم بھی ابتدا ہی سے قلم اور تحریر کے سیکھنے پر ترغیب دیتا ہے اور تجارتی معاہدات لکھنے کی قرآن نے ہدایت دی ہے، پھر بعد میں بھی خلفاء رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کتابت اور تحریر پر ابھارتے رہے، اسلام کی آمد کے وقت قریش میں تحریر اور کتابت کو جاننے والے سترہ اشخاص موجود تھے، ازد اور خزرج میں بھی چند ایک لوگ تھے جنہوں نے یہودیوں سے کتابت سیکھی تھی، لیکن یہ کتابت پر مکمل قدرت نہیں رکھتے تھے فتوحات کے حاصل ہونے کے بعد کتابت کی بکثرت ضرورت پڑی، ان رسائل اور خطوط کے خلفاء نے کاتبوں کو مقرر کیا، یہ رسائل یا تو وہ خود لکھتے یا اس کی خانہ پوری خود کرتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں کے لئے عطیات کی تقسیم کے لئے دیوان خاص بنانے کی ضرورت پڑی۔

صدر اسلام سے لے کر خلفاء راشدین کے دور اور بعد کے ادوار عہد بنی امیہ میں انشاء پردازی کو فروغ حاصل ہوا، صدر اول کے سربراہان عرب طبعی طور پر انشاء پرداز ہوتے تھے وہ جو چاہتے مختصر پیرایہ اور فصیح الفاظ میں خود لکھ لیتے یا لکھوا دیتے، جب خلافت کی مصروفیات بڑھیں اور آمدنی کے ذرائع بڑھے تو انہیں دفتری کارروائیوں کی ضرورت محسوس ہوئی سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (تمام آمدنی وخرچ کا حساب کتاب رکھنے کے لئے) دفتری نظام بنایا، پھر خلفاء نے محرری کے لئے عربوں، موالیوں اور عربوں سے یہ خدمت لی، مختلف صوبوں میں محصولات کی آمد کا نظام اور اس شہر والوں کی

زبان میں لکھا جاتا، چنانچہ عراق اور ایران میں فارسی، شام میں یونانی اور مصر میں قبطی زبان اپنائی گئی، حتی کہ اہل عرب کی ایک جماعت اس فن میں ماہر ہوگئی، انہوں نے دفتری کاموں کی ضروریات کو خود پورا کرنا شروع کر دیا۔

عصری اموی میں کتابت اور تحریر کو بہت فروغ حاصل ہوا، بہر حال عصر اموی میں مختلف دیوانوں میں مختلف عہدوں پر لکھنے والے کاتبین مقرر ہوئے، ایک دیوان رسائل تھا، ایک دیوان خراج تھا، ان بعض کاتبین کو رسائل اور کتابت کے فن خاص عبور حاصل ہوا، ان میں کچھ حضرات رسائل کے لکھنے میں مہارت حاصل تھی، تو بعض کاتب الخراج کی حیثیت سے مشہور تھے، بعض کاتب الجند (لشکری کاتب) کی حیثیت سے جانے تھے، اسی طرح پولیس محکمہ کی کے کاتب، قضاۃ کے کاتب وغیرہ، رسائل اور خطوط تو عربی زبان میں لکھے جاتے تھے؛ البتہ خراج کو ہر شہر کی مقامی زبان میں لکھا جاتا، عبدالملک بن مروان کے عہد تک اسی طرح معاملہ رہا، بعد میں عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید کے دور میں حکومت میں تمام دفتری امور عربی میں منتقل ہو گئے، پھر جب خلفاء پر خلافت کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو انہوں عرب انشا پردازوں اور موالی ادیبوں کی خدمات حاصل کیں، ان میں بعض روم اور ایران کے قواعد انشاء سے بھی واقف تھے، انہوں نے خطوط نویسی کے لئے ایسے قواعد وضوابط مرتب کئے جس سے رسائل نویسی تقریبا مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

1.9.1 رسائل اور خطوط کا انداز تحریر

اس دور کے طرز بیان میں الفاظ کی شان وشوکت، موٹی موٹی تراکیب، غرض وغایت سے واقفیت، طوالت، تکلف اور مبالغہ آمیزی سے اجتناب ضمیروں کا حسب القواعد اجراء، واحد متکلم وواحد مخاطب کی جگہ کلام جمع کی ضمیریں استعمال نہ کرنا۔

شروع میں تحریروں میں "باسمک اللھم" لکھا جانے لگا، جب سورہ ہود نازل ہوئی تو اس میں تھا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا تو لوگ بِسْمِ اللّٰهِ لکھنے لگے، سورہ بنی اسرائیل میں قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لکھنے لگے، پھر سورہ نمل میں جب یہ وارد ہوا اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو اس طرح بِسْمِ اللّٰهِ سے ابتدا اور من فلان إلى فلان، اما بعد (فلاں سے فلاں کی طرف) یا "إنی أحمد إلیک الله الذی لا إله إلا الله" (اس خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں) والسلام کے ساتھ خاتمہ، والسلام علی من اتبع الهدی (ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی ہو) کے الفاظ پہ اختتام۔ دور رسول وخلفاء میں رسائل اور خطوط میں ایجاز اور خاص الفاظ کے انتخاب اور موٹی تراکیب کا استعمال کیا جاتا، جس بڑائی اور عظمت کے اظہار سے دوری اختیار کی جاتی، مبالغہ اور غلو سے بھی پرہیز کیا جاتا، صنعت اور تنسیق سے بھی وہ خطوط خالی ہوتے، یعنی اس دور میں قرآن کریم کا اسلوب رسائل اور خطوط میں واضح طور پر نظر آتا تھا، یعنی دور خلافت میں رسائل اور کتابت کا فن ترقی یافتہ نثر تک پہنچا نہیں تھا، یہ ابتدائی مرحلے میں تھے، جب عصر اموی آیا تو رسائل پر خصوصی توجہ ہوئی، محرر اور کاتبین کتابت میں جدت کے سلسلے میں محنت کرنے لگے۔

لیکن جب ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے خطوط کے لئے خوشنما کاغذ کے استعمال اور خط میں بڑے بڑے القاب استعمال کئے اور خطوط کو عام بازاری تحریروں میں لکھنے سے منع کیا، پھر جب عمر بن عبدالعزیز اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کی خلافت کا دور آیا تو ان کی ورع و پرہیز گاری اور بدعت دشمنی نے انہیں سلف کے قدیم طرز کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن نظام کائنات اور اس عہد کے انسانی طبیعتوں نے جمود کو ناپسند کیا اور انشاء پرداز عبدالحمید آیا تو اس نے خطوط میں تطویل، خوشنمائی اور جاذبیت کی خوڈالی، اور اس نے رسائل کی ابتدا حمد وثناء سے کی، پھر انشاء پردازوں نے اس طریقہ کی پیروی کی، اس طرح چھوٹے اور غیر مربوط مسجع جملوں اور مختصر عوامی مضامین سے نکل کر اس جدید اسلوب کی طرف منتقل ہوگئی جس کے فقرے محکم، عبارت سلیس، موضوعات کا مختلف انداز اور گہرا پن، نثر نے اس زمانے می اس قدر جلدی سے ترقی کی کہ شاعری اس کا مقابلہ نہ کر سکی۔

1.10 عصر اسلامی واموی میں شاعری

زمانہ جاہلیت میں شعر کو نہایت بلند درجہ حاصل تھا؛ اس لئے کہ شاعری کے ذریعہ یہ اپنی عزت وآبرو اور دیگر حملہ آور قبائل کا دفاع کیا کرتے، شاعر اس قبیلے اور قوم لسان ناطق ہوا کرتا، جب اسلام کی آمد ہوئی، تمام قبائل ایک اسلام کے جھنڈے تلے یکجا ہو گئے، اور سب امت عربیہ بن گئے، تو اسلام نے اس شاعری کا جو قبائلی عصبیت اور فتنوں کا باعث تھی اس کا خاتمہ کر دیا، قرآن کریم نے کہا: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ○ [الشعراء: ۲۲۴-۲۲۶] (اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں، اور وہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں) اور احادیث مبارکہ میں بھی اس کی ممانعت وارد ہوئی، "لأن يمتلئ جوف أحدكم شعرا خير له من أن يمتلى قيحا" (تم میں سے کسی شخص کا پیٹ شعر سے بھر جائے اس سے بہتر ہے کہ پیپ سے بھرے" اسی لئے خلفاء راشدین نے بھی ایسی شاعری جو لوگوں کے درمیان قبائلی عصبیت کے فروغ کا باعث اس سے منع فرمایا، غالب اپنے بیٹے فرزدق کی شاعری سنانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدمت میں گئے تو انہوں نے اسے قرآن حفظ کروانے کا مشورہ دیا۔

ظہور اسلام کے وقت عربوں کی زندگی میں کٹر جاہلیت، اکھڑ پن، فرقہ وارانہ عصبیت راسخ ہو چکی تھی، ان عادات وصفات کی محرک وباعث شاعری تھی، جب رسول اکرم ﷺ نے ان مذموم عادات واخلاق کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جو کہ دلوں میں باہمی الفت اور عربوں میں اتفاق ویگانگت کا نقطہ آغاز تھا تو فطرتی طور پر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کو بلند کرنے کے لئے شاعری کی حوصلہ شکنی کی جائے اور لوگوں کو اس سے اجتناب کی ترغیب دی ،اسلامی ترہیب کی وجہ سے لوگوں نے شعر کی روایت اور بیان سے پہلوتہی شروع کر دی باوجود یہ کہ انہیں یہ علم تھا کہ اسلام مطلق طور پر شاعری پر قدغن نہیں لگاتا؛ بلکہ شاعری کا وہ حصہ معاشرے کہ تانے بانے بکھیر دے، اور دلوں میں پوشیدہ بغض وعداوت کو زبان پر لا کر قومی شیرازہ بکھیرے، پھر تمام عرب اسلام کی عظیم دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے، کچھ لوگوں نے اس کی تائید کی تو کچھ نے مخالفت، جب حضور اکرم ﷺ اور قریش کے مابین جھگڑا شدت اختیار کر گیا، اہل قریش نے آپ کے خلاف نیزوں اور زبانوں کا استعمال کیا، جس کا جواب دینے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت قریش کا جواب دینے کے لئے تیار ہوئی، ان میں سرفہرست حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ خاص طور پر مذکور ہیں، اس زمانے میں شاعری نے فنی اعتبار سے کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ وہ اسی پرانی جاہلانہ طرز پر چلتے مثلاً حسب ونسب پر فخر کرنا اور سرداری پر اترانا۔

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ شاعری عہد نبوت میں جاہلیت کی طرز پر تھی؛ لیکن جب ایک مدت کے بعد قریش اور اہل عرب دین (اسلام) کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو گندی زبانیں گنگ ہو گئیں اور شاعری نے دوبارہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے صحراء کا رخ کر لیا اور مسلمان قرآن مجید کی حفاظت، حدیث کی روایت اور اہل شرک سے جہاد کرنے میں مصروف ہو گئے تو شاعری کے محرکات کی قلت کی وجہ سے شاعری کی آواز مدہم پڑ گئی، ہاں البتہ کبھی کبھی حقیقی مدح یا مرثیہ کے وقت عارضی طور پر نمودار ہوتی جب کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کے سننے میں مروت سے کام لیا تو بعض شاعروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

عہد نبوت تک تو شاعری کی یہ حالت رہی، اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں اس کا گراف مزید گر گیا اور مقابلہ بازی ختم ہونے کی وجہ سے یہ اور بھی بے وقعت ہو گئی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلفاء شعراء کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کرتے، دوسری طرف عرب فتوحات اسلامی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے؛ لیکن اتنا ہے اب اسلام دلوں میں رچ بس گیا اور تہذیب وتمدن کی روشنی ذہنوں میں پہنچ گئی، جس کا اثر شعراء مخضرمین (وہ شعراء جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے) کی شاعری میں محسوس ہونے لگا مثلاً کعب بن زہیر، خنساء، حضرت حسان بن ثابت، حطیہ، معن بن اوس اور نابغۃ الجعدی عمر بن ربیعہ کی شاعری اس کی واضح مثالیں ہیں؛ لیکن یہ اثر چند اسلامی اصطلاحات کے شاعری میں استعمال سے آگے نہ بڑھ سکا، مثلاً

معروف، منکر، صلاۃ، زکاۃ، جنت، نار، مہاجرین اور انصار کے الفاظ تھے۔ اس کے علاوہ اسلام نے صرف شعراء مشرکین اور ان کے عادات قبیحہ پر مشتمل شاعری سے منع کیا تھا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ [الشعراء: ۲۲۷] (جو ایمان لائے، نیک عمل کئے) ان کی شاعری سے منع نہیں کیا، اور خود نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد گرامی موجود تھا کہ "إن من الشعر حكمة" (بعض شعر حکمت کے حامل ہوتے ہیں) خود نبی کریم ﷺ نے انصاری شعراء صحابہ حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ کو شعراء قریش کے دفاع پر مقرر کیا تھا، خلفاء راشدین بھی دینی و اخلاقی شاعری کے اپنانے پر ابھارتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسی اشعری کو لکھ بھیجا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو اخلاق، حکمت، درست رائے اور انساب پر مشتمل شاعری سکھائیں۔

1.10.1 اس دور کی شاعری کا اسلوب

شعر کے اسلوب اور اس کے پیرایہ میں تو کچھ زیادہ تو تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اس زمانہ میں بھی الفاظ کی عظمت، عبارت کی جزالت، ترکیب کی متانت، خصوصا خلفاء راشدین اور بنی امیہ یہ خالص عرب تھے جو قدیم اسلوب سے متاثر تھے، اس لئے شعر اس زمانہ میں اسلوب کے اعتبار سے قوی تر اور فصیح العبارۃ تھے۔

قرآن کریم نے شعر کے اسلوب میں نہایت زیادہ اثر کیا تھا، ان کے الفاظ تبدیل ہو گئے، ان کا اسلوب نہایت شیریں ہو گیا، خوارج اور غزلین کے شعر میں اس کا اثر خاص طور پر نظر آتا ہے، اس کے علاوہ اس زمانے میں شعراء نے الفاظ، ترکیب اور قصیدہ جاہلیہ کے طرز کو اختیار کیا، جاہلیت کی شاعری میں ٹیلوں، نسیب، اونٹ، گھوڑا اور راستے کے وصف، پھر یہ موجودہ زمانے کی شاعری میں فخر، ہجاء اور رثاء کی شمولیت ہوئی، اسلامی شعراء نے ان اصول کو اختیار کیا، خصوصا مدحت پر مشتمل قصائد، اس زمانے میں شعر کے اوزان اور قوافی میں کوئی خاص تغییر واقع نہیں ہوئی، لیکن شعراء نے قوافی اور اوزان میں اس زمانے میں خصوصی توجہ دی، اور انہوں نے اوصاف کے علاوہ دیگر اراجیز مدحیہ، فخر، رثاء اور ہجاء اور شکار کی وصف کا اضافہ کیا، جو مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گئے، البتہ جاہلی شاعری میں سادگی، دیہاتی پن اور اس کا ماحول، البتہ جن شعراء کا شام، عراق اور یمن کے ترقی یافتہ بادشاہوں کے پاس آنا جانا ہوتا تھا، ان کے معانی اور تصویر کشی میں تمدن اور تہذیب کے اثرات نظر آتے ہیں، اس کا اثر ہم نابغہ ذبیانی میں نظر آتا ہے۔

البتہ عصر اسلامی اور عصر اموی میں عرب نے خود کو ایک جدید مہذب اور تمدن یافتہ معاشرہ میں پایا، ان کا ماحول قدیم جاہلی کے ماحول سے علاحدہ رہا، ان عربوں نے عجمیوں سے اختلاط کی وجہ سے ان سے تمدن و تہذیب سے بھی اثر ڈالا، جس کی وجہ سے اشعار کے معانی اور اس کے آفاق کھلے، اس زمانے جن انواع کی شاعری فروغ پائی، اس میں غزل، سیاسی اور دینی شاعری، ہجاء اور نقائص، مدح، فخر اور دیگر اغراض کی شاعری ہونے لگی۔

1.10.2 عہد رسالت و خلفاء راشدین کی شعری خصوصیات

۱۔ شاعری قرآن و حدیث سے متاثر ہوئی۔

۲۔ دیہاتی شاعری اپنے قوت الفاظ، متانت ترکیب کے ساتھ باقی و برقرار رہی۔

۳۔ موجودہ شاعری میں جاہلی شاعری کے عناصر خصوصا قبائلی ہجو گوئی، جھوٹا فخر بازی، شراب کی مدح سرائی، لہو و لعب کے عناصر جاتے رہے۔

۴۔ دعوت اسلام کی تائید، جہاد پر ابھارنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور شعراء مشرکین کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگی۔

1.10.3 عصر اموی میں شاعری کی حالت

یہ حقیقت ہے کہ عربی شاعری جاہلیت اور اسلام میں اموی دور سے اواخر تک اپنے ظاہر جوہر قسم کے اعتبار سے ایک ہی طرز پر قائم رہی ہمسایہ ممالک کی مغلوب اقوام، سیاست، تمدن اور دین کی آمد نے اسے کسی نئی ڈگر پر نہیں چلایا؛ البتہ اس کے مطالب اور مضامین میں وسعت پیدا کر دی اور اس

کے بعض گوشوں کو مزید اجاگر کر دیا مثلاً ہجو گوئی، اور بعض میں کوئی امتیاز پیدا ہو گیا مثلاً غزل گوئی، ویسے بھی اس دور میں شاعری میں جدت کیسے پیدا ہو سکتی تھی بڑے بڑے شعراء تو دیہات سے آتے تھے اور خود خلفاء دیہاتی تعصب میں مبتلا تھے، ان سبھی راوی، ادیب اور لغوی لغت اور شاعری کو دیہات میں جا کر حاصل کرتے تھے۔

مزید یہ کہ عرب فطری طور پر تقلید پسند واقع ہوئے اور وہ قدیم روایات، سیادت، اخلاق اور آداب کا احترام کرتے تھے، بہر حال جدید شاعری نے کوئی خاص خوبی حاصل اس عہد میں نہیں کی؛ کیوں کہ عمر بن ربیعہ کا انداز تغزل امراء القیس کے تغزل کے انداز سے کوئی جداگانہ نہیں تھا، صرف یہ ہے کہ عمر کی غزل گوئی میں کچھ تمدنی خیالات اور شہری ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں، اسی طرح جریر اور فرزدق کی ہجہ گوئی حطیہ اور شماخ کی ہجو گوئی میں صرف چند سیاسی مضامین و معانی کے اضافہ کے سوا اور فرق نہیں پڑا، عہد بنی امیہ میں عراق اور حجاز میں شاعری کے انقلاب، اس کی اہمیت اور عربوں کے لئے اس کے ذہنی مواد کی فراہمی میں اس قدر اثر بعد میں عرب میں عصبیت کے رواج پانے کی وجہ سے ہوا، جب تک حضرت ابوبکر و عمر حیات تھے، حسن تدبیر اور نظام عدل کی وجہ سے تعصب کی روح دبی رہی، مسلمانوں کے فتوحات اور جہاد سے کثرت مال و دولت نے بھی انہیں بے فکر کر دیا، حضرت عثمان خلیفہ بنے تو کار فرما ہاتھ کمزور ہو گئے، چنانچہ دوسرے ہاتھ نے سہارا دیا، اب صرف خلیفہ ہی رائے دینے والا نہ تھا؛ بلکہ عرب قومیت کے بجائے اموی تعصب ابھر آیا اور اسی وجہ سے اموی لوگوں نے بھی حکومت شروع کر دی، بہر حال عرب دشمنان اسلام سے جہاد کرنے کے بجائے اپنی تلواریں اور زبانیں اپنوں ہی کے خلاف استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے تو کئی ایک جماعتیں اور گروہ وجود میں آئے، کچھ دین دار تھے، تو کچھ دنیا دار، شام میں لوگ بنو امیہ کی حمایت کرتے، حجاز میں ایک جماعت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حامی تھی، عراق میں ایک جماعت اہل بیت کے ماننے والی تھی اور وہ حکومت میں ان کے حق کا مطالبہ کرتی تھی، کچھ غیر جانبدار تھے؛ لیکن جب حضرت معاویہ حکومت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حسن تدبیر، عطا و بخشش، چشم پوشی اور دانائی سے کام لیتے ہوئے مخالفین کو خاموش کیا، ان کے انتقال کے بعد پھر جھگڑوں نے سر اٹھا اور انہوں نے پایہ تخت کو ہلا دیا، پھر مروان و اس کے بیٹے تخت نشیں ہوئے، پھر اختلافات نازک صورت اختیار کر گئے، اب اسلام کمال جوانی کو پہنچ چکا تھا، نوجوان نسل نئے تمدن سے بے بہرہ تھی، ان تمام فتنوں کا اثر عربی ادب کو بھی پہنچنا تھا، خصوصاً تمام عربوں نے اس جھگڑا میں حصہ لیا، اور ان کی اکثریت شاعروں کی تھی، بنو امیہ نے مال کے ذریعہ شعراء کے خیالات کو خرید لیا اور پھر ان شعراء کے مابین حسد اور ہجو کی آگ بھڑکا دی، چنانچہ شاعری ایک جداگانہ پیشہ بن گئی کہ بہت سارے لوگوں کا پیشۂ روزگار اس سے وابستہ ہو گیا، اس لئے آپ کو عبدالملک کے عہد حکومت میں شاعری کی بہتات، اور شعراء کی کثرت ملے گی، اس دور میں چوٹی کے شعراء سو کے لگ بھگ تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری اپنے پرانے طریقے اور مزاج پر قائم رہی؛ تاہم وہ معانی اور مضامین اخذ کرنے میں نئی زندگی سے بھی متاثر ہوئی۔ اخطل، فرزدق، جریر، پھر شیعہ اور خوارج کی شاعری یہ سب اسی دور کی پیداوار ہیں۔ گرچہ اس دور میں مدحیہ اور ہجو گوئی والی شاعری نے خوب ترقی کی؛ لیکن مرثیہ، تغزل، وصف پر مبنی شاعری کو خوب فروغ حاصل ہوا۔

1.10.4 اس دور کی شاعری کی خصوصیات

۱۔ قصیدہ کی صورت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، اموی شعراء نے اس باب میں متقدمین کی پوری تقلید کی، اور مضمون و ادائے مطالب اور طرز کلام میں بھی انہیں کی نقل کی، ان کے کلام میں فتوحات اسلامی اور مبارزان اسلام کے کارہائے نمایاں کی تعریف کم ملتی ہے، برعکس اس کے قصیدہ تشبیب سے شروع ہوتا ہے، اور دیار یار کے باقی ماندہ آثار پر شاعر کھڑا ہوا صباح عشرت و شام وصال کو یاد کر کے روتا ہے، اور برابر اس کے ناقہ لاغر ہے جس کی خوبیوں کو شاعر نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کرتا ہے، کبھی کبھی قصیدہ میں ایسا رنگ بھی بھرتا ہے جس سے اس زمانہ کے واقعات کا کچھ پتا لگتا ہے۔

۲۔ اس دور کی شاعری میں اسلام و جاہلیت کی ملی جلی تصویر ہمیں دکھائی دیتی ہے اور زیادہ تر تو ان باتوں کا ذکر ملتا ہے جو شرعاً حرام ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ متدین لوگ بنی امیہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے

۳۔ زمانہ جاہلیت میں اکثر کسی فرضی معشوقہ کا ذکر ہوتا تھا، شاعر نے خواہ عشق کے مزے چکھے ہوں نہ ہو، درد ہجر اور وصال کی ناامیدی بڑے پر درد لفظوں میں بیان کرتا تھا، برعکس اس کے اس دور میں شعراء اپنی حقیقی محبوبہ کی مدح کرتا اور اپنے جوش عشق اور سلیس لفظوں میں ظاہر کرتا، حق تو یہ ہے کہ کثرتِ زر نے انہیں بھی عشق کے سارے رموز سکھا دیئے تھے۔

۴۔ یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس دور کے کلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت مہاجات ہے، یوں تو متقدمین کے کلام میں بھی اکثر ہجو گوئی پائی جاتی ہے، پر جس قدر اس دور کے شعراء ہجو گوئی میں طاق اور مشاق نظر آتے ہیں، اور کسی دور میں نہیں، ہجا کی جو کچھ قابلیت زبان عربی میں اسے یہ پورے طور پر کام لاتے ہیں، بعض اوقات اپنے حریف کی ہجو میں ایسے غلیظ اور فحش الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں کہ انہیں پڑھنے میں شرم آتی ہے، اور یہ اور بھی زیادہ تعجب خیز بات ہے کہ اس دور کے جو شعراء سب سے زیادہ نامی ہیں وہ اپنی ہجو گوئی کے سبب سے نامی ہیں۔

۵۔ خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے عہدوں میں مسلمانوں کی توجہ ملک گیری اور جہاں بانی اور اقلیم استانی کی طرف رہی اور جب ان سے فارغ ہوئے، خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں، ان کی وجہ سے عربی زبان میں کسی طرح کی آمیزش نہ ہوئی اور اس کے پاس قوموں کا کچھ اثر ان کی زبان پر نہ پڑا، لہٰذا ہمیں اس دور کے ادب میں کسی بیرونی رنگ کی جھلک دکھائی نہیں دیتی، جو کچھ ذخیرہ و سرمایہ ان کے پاس ایام جاہلیت کا موجود تھا اسی پر وہ قانع رہے، اور کہیں سے کچھ مستعار انہوں نے نہ لیا۔

۶۔ ایک بات یہاں بہت قابل غور ہے کہ اس دور کے اکثر شعراء خاص ملک عرب میں نہیں؛ بلکہ عراق میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی تعلیم و تربیت پائی، اس کی وجہ سے یہ تھی کہ بنو امیہ کے دار الخلافت دمشق ہونے کے باعث عرب کے سربرآوردہ خاندان اپنے وطن چھوڑ کر عراق اور شام میں زمین گیر ہو گئے تھے، کیوں کہ یہاں یہ اپنی طباعی اور ذہانت و فطانت کے ذریعہ جلد اور بہ آسانی اپنی معاش پیدا کر سکتے تھے، شام اور ایران کے زر خیز اور سرسبز و شاداب ممالک عرب کے صحراؤں اور بیابانوں سے زیادہ خوشگوار اور دلفریب تھے، عیش و عشرت، راحت و نشاط کے جو سامان یہاں مہیا ہو سکتے تھے وہ ملک عرب میں بالکل ناممکن تھے، علاوہ ازیں دمشق کے دار الخلافت ہونے سے عرب سلطنت اسلامی کا محض ایک صوبہ ہو گیا، خلیفہ کے دربار میں امراء و کبراء، شرفاء اور متلاشیان روزگار کا جمگھٹا رہتا اور انعام و اکرام کی لالچ میں وہاں خلق کا تانتا بندھا ہوتا، شعراء کی ایسی جگہ چاندی تھی، وہ اپنے قصائد اور مدحیہ اشعار سے بہت کچھ کما سکتے تھے، لہٰذا انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر مال و دولت اکٹھا کرنے کا ذریعہ شعر کو بنا لیا۔

۷۔ نثر کی طرف اب تک علماء کی رغبت و توجہ نہ ہوئی تھی، بلکہ اسے کم قدر و ہیچ سمجھ کر اس میں تصنیف و تالیف کو عار جانتے تھے؛ لیکن بنی امیہ کے عہد میں لوگوں کے خیالات میں ایک طرح کا انقلاب آ گیا، اس انقلاب کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی قرآن مجید جسے وہ معیار فصاحت و بلاغت جانتے تھے نثر میں نازل ہوا تھا، اس کی مقفی و مسجع عبارتوں کے آگے بڑے بڑے شعراء کی اعلیٰ اعلیٰ سے نظم بھی مات تھی، لہٰذا اب یہ کوشش ہونے لگی کی نثر میں کتابیں لکھی جائیں جو عبارت کی رنگینی اور مضمون کی چستی میں کسی طرح صاحب سخن حضرات کی نظموں سے کم نہ ہو۔

عربی ادب کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب کہ نثر کی اہمیت بہ مقابلہ نظم کے کچھ زیادہ ہو گئی، ان انقلابات اور تبدیلیوں کا اثر جن کا ذکر آ چکا ہے، اس عہد کی نثر اور انشاء پر بہت گہرا اثر پڑا، اسالیب تحریر میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا، جاہلیت کی نثر میں چند اصناف ہی رائج تھے، جیسے کاہنوں کی مسجع عبارتیں، ضرب الامثال، چند حکیمانہ خطبات، کچھ پند و موعظت سے مملو تقریریں اور بعض وصایا بس یہی نثر کی کل کائنات تھی، جو جہالت کی پیداوار

کہی جاسکتی ہے،مگر ابتدائے اسلام سے راشدین کے عہد تک کثرت فتوحات اور اسلامی مملکت کی وسعت نے چونکہ نثر کی ضرورت کو شدید تر بنایا تھا؛ اس لئے یہیں سے عربی نثر کا حقیقی آغاز ہوتا ہے۔

لغت میں مندرجہ بالا وجوہات واسباب کی بناء پر جو تغیرات ہوئے وہ بھی اہم ہیں،مثلا یہیں سے کتابت اور خطابت میں تفریق شروع ہوگئی، تحریر عام بول چال سے قدرے مختلف ہونے لگی اور اس اختلاف کی بناء یہیں سے پڑی۔

اس زمانے کی نثر میں زیادہ تر خطبات،قوانین واحکام، پند ونصائح اور خلفاء اور والیوں کے خط وکتابت کے نمونے ہیں، اسلوب میں سادگی نمایاں ہے،خصوصا سیاست وحکومت کے سلسلے میں خلفاء اور والیوں کی جو مراسلت ہوئی وہ بالکل ہی سہل ممتنع کے مصداق ہیں،نہایت گہرے مطالب اور مشکل مسائل کے حل چند آسان الفاظ میں تحریر کردیئے جاتے، عام طور پر چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کئے جاتے، بیانات کی تقویت واستدلال کے لئے قرآن شریف کی آیتیں،چھوٹی سورتیں اور حدیثیں بھی استعمال کی جاتیں۔

مذکورہ بالا تغیرات سے لغت میں نئے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا، چند پرانے الفاظ خاص معانی میں استعمال ہونے لگے، جیسے اسلام کے فرائض، عبادات،عقائد سے متعلق الفاظ اور فقہ وشرعی اصطلاحات یہ الفاظ ان میں بعض گرچہ عرب کے یہاں پہلے سے مستعمل تھے،مگر اب ان کی حیثیت بدل گئی۔

1.11 خلاصہ

دور جاہلیت وہ دور تھا جس میں درنگی،سفاکی،نکبت، جہالت، دروغ گوئی، دغابازی،قبائلی تعصب اور خون خرابہ کا دور تھا، اسلام کی آمد نے بنی نوع انسانی کو رفعت وبلندی،ترقی ووسعت کے اعلی مقام پر پہنچادیا،قرآن جیسے معجز کلام اور نبی پاک ﷺ کی جیسے عظیم ہستی کے اقوال وارشادات نے انسانیت کی کایا پلٹ دی،انسانیت کا درس دیا،انہیں درندگی اور حیوانت سے نکال کر انسانیت کے اعلی واشرف مقام پر فائز کیا،قبائلی عصبیت کو ختم کر کے اسلامی اخوت کے زیر نگیں سب کو بھائی بھائی کردیا۔

اس زمانہ کا ادب بھی جاہلی اثرات سے خالی نہ تھا،ان کی شعر گوئی جو اس دور کی اصل صنف ادب تھی وہ حمیت،عصبیت،آپسی قبائلی دشمنی حماسہ، بہادر وفخر مباہات اور خرافات، وبگاڑ وخراب پر مبنی مضامین پر تھی،خانہ بدوش بدو اور دیہاتی زندگی کی وخونے انہیں اپنے خول میں محدود کردیا، باہمی کشمکش اور سرداروں کی نخوت وتکبر کا اثر بھی شعری ونثری اثرات میں واضح طور پر نظر آتے ہیں،اسلام کی آمد نے ان دونوں ادوار کے درمیان حد فاصل کے طور پر کام کیا۔حمیت،خود پسندی،قبائلی عصبیت سے نکال کر،اسلام نے امن،شانتی،چشم پوشی،درگذر،عفو وامان،ایک اللہ کی اطاعت،آپسی بھائی چارہ،دکھ درد میں شرکت،ایک دوسرے کو بھائی بھائی کے رشتہ کے ساتھ جوڑ دیا،ان تعلیمات کو قرآن جیسے معجز کلام اور کلام نبوی جیسے سحر انگیز اور اچھوتے کلام میں بیان کیا گیا،اس طرح عصر اسلامی اور اموی میں عربی ادب کو خوب نشو ونما حاصل ہوئی ہے،قرآن جیسی معجزاتی کلام کی شکل میں سلاست وروانی،فصاحت وبلاغت سے معمور کلام،پھر حدیث نبوی کی شکل میں حسن وبندش اور روانی برجستگی سے معمور ادبی نمونہ بھی عربی زبان کی وسعت اور دوام کا ذریعہ بن گیا۔

قرآن کریم کے نزول سے عربی زبان کی قدر وقیمت ومنزلت بے انتہا بڑھ گئی،اس کی فصاحت وبلاغت کے آگے عرب کی سحر بیانی مات ہوگئی، لسان العرب کے اس دائمی معجزہ کے سامنے اہل سخن کی زبان گنگ ہوگئی،ارباب فضیلت واہل کمال نے مان لیا کہ ایسا کلام انسان کی طاقت سے نہ صرف باہر ہے، بلکہ اس کا ایک ایک جملہ اس کلام ربانی کے اسرار بلاغت کا نمونہ اور معانی وبیان کے اصول کا گنجینہ ہے،اس میں الہ العالمین جس کی آواز سے زمین وآسمان لرزتے ہیں بولتا ہے اور انس وجان وملائکہ سر جھکا کر اس کے کلام کو سنتے ہیں،اور کسی کو چوں چرا کرنے کی مجال نہیں، پیمانہ فصاحت یہ ہے، معیار بلاغت یہ ہے،زبان دانی کی جان وروح یہی ہے کہ قرآن مجید حفظ ہو اور اس کے لغات ومحاورات اور اسرار ومعانی وبیان پر عبور ہو،اصل ادیب وہی ہے جسے وقائعہائے فرقان حمید معلوم ہوں۔

قرآن کریم کا اسلوب نہایت اچھوتا اور نادر اسلوب ہے، عرب نے اس سے قبل جس نثر نویسی کا آغاز کیا تھا، بالکل اس سے علاحدہ، اس لئے عرب اس قرآن کریم کے نئے اسلوب اور انداز سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، کبھی نبی کریم ﷺ کو انہوں نے شاعر، کبھی ساحر اور کبھی کاہن کہا، اسی لئے جو ادیب محدثین ہیں وہ اسلوب قرآنی کے سلسلے میں مختلف ہیں، کیا یہ شعر ہے یا نثر؟ یا دونوں نہیں ہیں؟ حق یہ ہے کہ یہ نثر ہی ہے، لیکن یہ نثر مختلف انداز سے الگ ہے، یہ نثر سورتوں اور آیتوں پر مشتمل ہے، حدیث ہی قرآن کے مشکل مقامات کی وضاحت، مجمل کی تفصیل، مطلق کی تقیید اور عموم کی تخصیص کرتی ہے، اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو وضاحت، الہام، اور خداداد صلاحیت میں لاثانی بنایا تھا، آپ قریش میں پیدا ہوئے اور بنوسعد میں دودھ پیا جو کہ تمام قبائل میں فصیح تر ہے، نیز آپ کا زبانِ قرآن پر کامل عبور، زبان عرب پر مکمل دسترس، اعلیٰ اسالیب بنانے کی فطری صلاحیت، فقہی و دینی مطالب ومعانی بیان کرنے کے لئے نئے نئے الفاظ کی وضع کرنے پر قدرت اور بے مثل صلاحیت نے اس پر فصاحت و بلاغت کی دلکشی کی مہر ثبت کردی ہے ویسے حدیث سے ظاہر ہے کہ روزمرہ عام گفتگو کی قسم سے الگ نہیں جو ہر مجلس میں ہوتی اور موضوع اور عنوان کو شامل ہوتی ہے، برجستگی، غور وفکر کی کمی، جگہوں اور حالات کے اختلاف سے گفتگو میں اختلاف ہونا فطری تقاضا ہے، لیکن حدیث رسول ﷺ کی شان ہی نرالی ہے، اس کا طرز بیان زمانہ نبوت سے قربت کی وجہ سے اسلوب قرآن کے مماثل اور قریب تر ہے، تاہم وہ اپنی ظاہری چمک دمک، عبارت کی ترتیب وروانی، واضح ومعین معانی ومطالب کے بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ اور جملے لانے، بیان کے حسب حال ہونے اور مخاطب کی بولی کے مطابق الفاظ لائے جانے کی وجہ سے ممتاز ہے۔

خطابت نے عہد اسلامی واموی میں عربی ماحول کے لحاظ سے فنی اعتبار سے بہت ترقی اور بام عروج کو پہنچ گئی، اسلام اور قرآن نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا تھا جس کا عربی ادب پر بہت گہرا اثر پڑا، شعر کے بجائے نثر میں اس کا خوب اثر ظاہر ہوا، چونکہ نثر کی فکری اور اجتماعی ترقی وعروج ہم مثل اور ہمسر تھی، جب کہ شعر کی ترقی کے اسباب ودواعی کو اپنانے اور اختیار میں اپنی دقت اور باریکی کی وجہ سے اس سے ہم آہنگ وہم مثل نہ تھی۔

حلاوت الفاظ، متانت اسلوب، قوت تاثیر، قرآنی آیات سے اقتباسات وحوالہ جات، مطلب سمجھانے اور وعظ ونصیحت کے لئے قرآنی طرز بیان کی اقتداء اور حمد وصلاۃ سے ابتداء اس دور کی خطابت کی امتیازی اوصاف اور خصوصیات رہے ہیں۔ اس طرح عہد جاہلیت کی خطابت اور اس دور کی خطابت میں زمین وآسمان کا فرق ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں قرآن شریف کی سورتیں، حدیثیں اور خلفاء کے اقوال یہ سب تقریروں میں شامل کئے جاتے، جن سے ان کی حالت یکسر بدل جاتی۔

اہل عرب زمانہ جاہلیت سے تقریر کے وقت عمامہ باندھتے، عصا ہاتھ میں لیتے اور اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، صرف ولید بن عبدالملک نے بیٹھ کر تقریر کی، مختصر یہ کہ ادوار زبان میں کوئی زمانہ اس دور کی طرح خطابت میں عروج حاصل نہ کرسکا، کیوں کہ اس دور میں لوگ شاعری سے ہٹ کر خطابت کی طرف مائل ہوگئے تھے اور دین وسیاست کا دارومدار فن خطابت پر ہی تھا اور کثرت سے خطیب پیدا ہوئے۔

اسلامی تعلیمات، نیکی اور زہد کے خیالات، روحانی رفعت اور علوخیالی کا اثر اس عہد کی خطابت میں بہت نمایاں ہے، چاروں خلفاء (راشدین) اور خصوصا حضرت علی کرم اللہ وجہہ خطابت کے امام مانے جاتے تھے، اس دور کے اچھے خطیب خلفاء راشدین کے دور تک رہے جن میں مصعب بن زبیر، قطری بن الفجائۃ، زیاد بن ابی اور سحبان بن وائل بہت مشہور ہوئے۔ اس دور کے مشہور مقررین میں رسول اکرم ﷺ، خلفاء راشدین، زیاد بن ابیہ، حجاج بن یوسف وغیرہ ہیں۔

صدر اسلام سے لے کر خلفاء راشدین کے دور اور بعد کے ادوار عہد بنی امیہ میں انشاء پردازی کو فروغ حاصل ہوا، صدر اول کے سربراہان عرب طبعی طور پر انشاء پرداز ہوتے تھے وہ جو چاہتے مختصر پیرایہ اور فصیح الفاظ میں خود لکھ لیتے یا لکھوادیتے، جب خلافت کی مصروفیات بڑھیں اور آمدنی کے ذرائع بڑھے تو انہیں دفتری کارروائیوں کی ضرورت محسوس ہوئی سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (تمام آمدنی وخرچ کا حساب کتاب رکھنے کے لئے)

دفتری نظام بنایا پھر خلفاء نے محرری کے لئے عربوں، موالیوں اور عربوں سے یہ خدمت لی، مختلف صوبوں میں محصولات کی آمد کا نظام اور اس شہر والوں کی زبان میں لکھا جاتا، چنانچہ عراق اور ایران میں فارسی، شام میں یونانی اور مصر میں قبطی زبان اپنائی گئی، حتی کہ اہل عرب کی ایک جماعت اس فن میں ماہر ہوگئی، انہوں نے دفتری کاموں کی ضروریات کو خود پورا کرنا شروع کر دیا۔

عصر اموی میں کتابت اور تحریر کو بہت فروغ حاصل ہوا، بہر حال عصر اموی میں مختلف دیوانوں میں مختلف عہدوں پر لکھنے والے کاتبین مقرر ہوئے، ایک دیوان رسائل تھا، ایک دیوان خراج تھا، ان بعض کاتبین کو رسائل اور کتابت کے فن پر خاص عبور حاصل ہوا، ان میں کچھ حضرات کو رسائل کے لکھنے میں مہارت حاصل تھی، تو بعض کاتب الخراج کی حیثیت سے مشہور تھے، بعض کاتب الجند (لشکری کاتب) کی حیثیت سے جانے تھے، اسی طرح، پولیس محکمہ کی کے کاتب، قضاۃ کے کاتب وغیرہ، رسائل اور خطوط تو عربی زبان میں لکھے جاتے تھے، البتہ خراج کو ہر شہر کی مقامی زبان میں لکھا جاتا، عبدالملک بن مروان کے عہد تک اسی طرح معاملہ رہا بعد میں عبدالملک بن مروان اور اسکے بیٹے ولید کے دور میں حکومت میں تمام دفتری امور عربی میں منتقل ہو گئے۔

ظہور اسلام کے وقت عربوں کی زندگی میں کٹر جاہلیت، اکھڑ پن، فرقہ وارانہ عصبیت راسخ ہو چکی تھی، ان عادات وصفات کی محرک و باعث شاعری تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذموم عادات واخلاق کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جو کہ دلوں میں باہمی الفت اور عربوں میں اتفاق ویگانگت کا نقطہ آغاز تھا تو فطرتی طور پر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کو بلند کرنے کے لئے شاعری کی حوصلہ شکنی کی جائے اور لوگوں کو اس سے اجتناب کی ترغیب دی، اسلامی ترہیب کی وجہ سے لوگوں نے شعر کی روایت اور بیان سے پہلو تہی شروع کر دی باوجود یہ کہ انہیں یہ علم تھا کہ اسلام مطلق طور پر شاعری پر قدغن نہیں لگاتا؛ بلکہ شاعری کا وہ حصہ معاشرے کہ تانے بانے بکھیر دے، اور دلوں میں پوشیدہ بغض وعداوت کو زبان پر لا کر قومی شیرازہ بکھیرے، پھر تمام عرب اسلام کی عظیم دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے، کچھ لوگوں نے اس کی تائید کی تو کچھ نے مخالفت، جب حضور اکرم ﷺ اور قریش کے مابین جھگڑا شدت اختیار کر گیا، اہل قریش نے آپ کے خلاف نیزوں اور زبانوں کا استعمال کیا، جس کا جواب دینے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت قریش کا جواب دینے کے لئے تیار ہوئی، ان میں سرفہرست حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ خاص طور پر مذکور ہیں، اس زمانے میں شاعری نے فنی اعتبار سے کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ وہ اسی پرانی جاہلانہ طرز پر چلتے مثلاً حسب ونسب پر فخر کرنا اور سرداری پر اترانا۔

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ شاعری عہد نبوت میں جاہلیت کی طرز پر تھی؛ لیکن جب ایک مدت کے بعد قریش اور اہل عرب دین (اسلام) کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو گندی زبانیں گنگ ہو گئیں، اور شاعری نے دوبارہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے صحراء کا رخ کر لیا اور مسلمان قرآن مجید کی حفاظت، حدیث کی روایت اور اہل شرک سے جہاد کرنے میں مصروف ہو گئے تو شاعری کے محرکات کی قلت کی وجہ سے شاعری کی آواز مدہم پڑ گئی، ہاں البتہ کبھی کبھی حقیقی مدح یا مرثیہ کے وقت عارضی طور پر نمودار ہوتی جب کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کے سننے میں مروت سے کام لیا تو بعض شاعروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

عہد نبوت تک تو شاعری کی یہ حالت رہی، اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں اس کا گراف مزید گر گیا اور مقابلہ بازی ختم ہونے کی وجہ سے یہ اور بھی بے وقعت ہو گئی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلفاء شعراء کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کرتے، دوسری طرف عرب فتوحات اسلامی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، لیکن اتنا ہے اب اسلام دلوں میں رچ بس گیا اور تہذیب وتمدن کی روشنی ذہنوں میں پہنچ گئی، جس کا اثر شعراء مخضرمین (وہ شعراء جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے) کی شاعری میں محسوس ہونے لگا مثلاً کعب بن زہیر، خنساء، حضرت حسان بن ثابت، حطیہ، معن بن اوس اور نابغۃ الجعدی عمر بن ربیعہ کی شاعری اس کی واضح مثالیں ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ عربی شاعری جاہلیت اور اسلام میں اموی دور کے اواخر تک اپنے ظاہر جوہر قسم کے اعتبار سے ایک ہی طرز پر قائم رہی ہمسایہ ممالک کی مغلوب اقوام، سیاست، تمدن اور دین کی آمد نے اسے کسی نئی ڈگر پر نہیں چلایا؛ البتہ اس کے مطالب اور مضامین میں وسعت پیدا کر دی۔ اس کے بعض گوشوں کو مزید اجاگر کر دیا مثلاً ہجو گوئی اور بعض میں کوئی امتیاز پیدا ہو گیا مثلاً غزل گوئی، ویسے بھی اس دور میں شاعری میں جدت کیسے پیدا ہو سکتی تھی بڑے بڑے شعراء تو دیہات سے آتے تھے اور خود خلفاء دیہاتی تعصب میں مبتلا تھے، ان سبھی راوی، ادیب اور لغوی لغت اور شاعری کو دیہات میں جا کر حاصل کرتے تھے۔

قصیدہ کی صورت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، اموی شعراء نے اس باب میں متقدمین کی پوری تقلید کی اور مضمون وادائے مطالب اور طرز کلام میں بھی انہیں کی نقل کی، ان کے کلام میں فتوحات اسلامی اور مبارزان اسلام کے کارہائے نمایاں کی تعریف کم ملتی ہے برعکس اس کے قصیدہ تشبیب سے شروع ہوتا ہے، اور دیار یار کے باقی ماندہ آثار پر شاعر کھڑا ہوا صباح عشرت وشام وصال کو یاد کر کے روتا ہے۔

1.12 نمونے کے امتحانی سوالات

1۔ قرآن کریم کا تعارف پیش کریں، نیز تدوین قرآن اور مشمولات قرآن پر سیر حاصل بحث کریں۔

2۔ قرآن کریم کے اسلوب کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ عربی زبان وادب پر قرآن کریم کا کیا اثر ہوا؟ لکھئے۔

3۔ حدیث شریف کا تعارف پیش کریں، نیز تدوین حدیث بیان کرتے ہوئے اس کے امتیازات وخصوصیات پر روشنی ڈالیں۔

4۔ خطابت کو صدر اسلام میں ایک فن ادبی کی حیثیت سے کیسے فروغ حاصل ہوا اس زمانے میں اس کے ترقی کے کیا اسباب رہے؟ بیان کیجئے۔

5۔ صدر اسلام اور عہد امیہ میں خطابت کے امتیازات وخصوصیات بیان کیجئے۔

6۔ صدر اسلام میں شعر کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہوسکا، اس کی وجوہات بیان کیجئے۔

8۔ رسائل اور خطوط کے انداز تحریر پر ایک نوٹ لکھئے۔

1.13 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ تاریخ الأدب العربی، احمد حسن الزیات

۳۔ تاریخ الأدب العربی، د۔عمر فروخ

۴۔ تاریخ الأدب العربی، شوقی ضیف

۵۔ تاریخ الأدب العربی، حنا فاخوری